فصل پنجم

سورہ ''حمد'' کی اجمالی تفسیر اور تمحید وقرائت کے چند آداب

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کی ،ب، کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہر ایک نے اپنے علم و عرفان کے مسلک کے مطابق اس کے متعلق کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علمائے ادب نے ''ابتداء'' یا ''استعانت'' کے مادہ سے مثلاً اس کے متعلق کا، اشتقاق قرار دیا ہے اور اسی کو تقدیر عبارت سے بتایا ہے اور یہ جو بعض روایات میں بھی وارد ہوا ہے کہ (بسم اللہ) اے استعین ، یا تو مذاق عامہ کے موافق ہے، چنانچہ بہت سی روایتوں میں (مذاق عامہ کی موافقت) شائع ہے اور بہت سی احادیث کے اختلاف کو اسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی (مذاق عامہ کی موافقت کے) باب میں ''بسم اللہ'' کے بارے میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اَیۡ اُسَمِّ نَفۡسِی بِسِمَةٍ مِنۡ سِمَاتِ اللّٰه [1]

اور یا یہ کہ (استعانت) سے مقصود اس سے زیادہ لطیف کوئی نکتہ ہے جس کا عامہ ادراک کرتے ہیں، جس میں سر توحید انتہائی باریکی کے ساتھ مضمر ہے۔

بعض اہل معرفت نے اس کو ''ظہر'' سے لیا ہے اور کہا ہے کہ:

ای ظهر الوجود ببسم الله. [2]

---

[1] بحار الانوار (ط۔ بیروت) / ج 89 ،ص: 223

[2] وجود بسم اللہ (الرحمٰن الرحیم) سے ظہور میں آیا، یہ وجہ، بسلمہ، کے معنی میں محی الدین ابن عربی نے کتاب، الفتوحات المکیہ، ج ۱، ص ۱۰۲، میں لکھی ہے۔

یہ اہل معرفت اور اصحاب سلوک و عرفان کے مسلک کے مطابق ہے جو تمام موجودات اور ذرات کائنات اور عوالم غیب و شہادت کا ظہور اللہ کے جامع اسم یعنی ''اسم اعظم'' کی تجلی سے جانتے ہیں اس بنا پر، اسم، جو نشان اور علامت کے معنی ہیں اور یا علو و ارتفاع کے معنی میں ہے، تجلی فعلی انبساطی حق (حق تعالیٰ کی اس کے فعل سے پھیلنے والی تجلی) سے عبارت ہے جسے، فیض منبسط، اور افاضہ اشراقیہ، کہتے ہیں۔ کیونکہ اس مسلک کے اعتبار سے یہ تمام دار وجود، عقول مجردہ سے لے کر وجود کے آخری مرتبہ تک، اسی فیض کے تعینات اور اسی لطیف رمز کے تنزلات (کا مجموعہ) ہے۔ آیات شریفہ الٰہی اور احادیث مبارکہ معصومین علیہم السلام میں اس مسلک کی تائیدات بہت ہیں۔ چنانچہ کافی کی حدیث شریف میں ارشاد ہے: خداوند عالم نے، مشیت، کو اس کی ذاتی حیثیت سے خلق کیا، اسکے بعد مشیت سے تمام اشیاء کو خلق کیا، [1]

اس حدیث کی ہر شخص نے اپنے مسلک کے مطابق توجیہ کی ہے۔ جن میں سب سے ظاہر وہ ہے جو اس عرفانی مسلک سے مطابقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ، مشیت سے مراد مشیت فعلیہ ہے جس کی تعبیر، فیض منبسط، ہے اور اشیاء سے مراد مراتب وجود ہیں جو اس لطیف نکتہ کے تعینات و تنزلات ہیں۔ لہٰذا حدیث کے معنی یہ نکلے کہ خدائے تعالیٰ نے مشیت فعلیہ کو جو مشیت ذاتیہ قدیمہ کا ظل، سایہ اور عکس، ہے۔ بنفسہا اور بلا کسی واسطہ کے خلق کیا اور عالم غیب و شہادت کے دوسرے موجودات کو اس کی تبعیت میں خلق کیا اور سید محقق داماد (قدس سرہ) نے اس مقام تحقیق و تدقیق کے باوجود جو ان کو حاصل ہے، اس حدیث شریف کی عجیب توجیہ کی ہے [2]

اسی طرح مرحوم ملا فیض کاشانی کی توجیہ بھی بعید از صواب ہے۔

بالجملہ ''اسم'' سے مراد نفس تجلی فعلی ہے جس سے تمام دار وجود و تحقق موجود و متحقق ہے اور اسم کا اطلاق امور غیبیہ پر زبان خدا اور زبان رسولؐ و زبان اہل بیتؑ پر بہت آیا ہے۔ جیسے، اسمائے حسنیٰ، کے لئے فرمایا ہے کہ ہم ہیں۔

اور ادعیہ شریفہ میں ''بِاسْمِكَ الَّذِي تَجَلَّيْتَ بِهِ عَلَى فلان'' بہت آیا ہے، [3]

احتمال ہے کہ ''بسم اللہ'' ہر سورہ میں اسی سورہ سے متعلق ہو، مثلاً سورۂ حمد کی بسم اللہ حمد سے متعلق ہے۔ یہ بات ذوق عرفانی اور مسلک اہل معرفت سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس لئے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حمد کرنے والوں کی حمد او رثنا کرنے والوں کی ثنا بھی اسم ''اللہ'' کی قیومیت سے ہے۔ اس بنا پر تسمیہ اور تمام اقوال و اعمال کا مقدمہ جو مستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے۔ اس تذکر کے لئے ہے کہ ہر وہ قول و عمل جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ اسم الٰہی کی قیومیت

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۴۹، کتاب التوحید، باب الا رادة انہا من صفات الفعل، حدیث ۴، بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۴۵

[2] مرآة العقول، ج ۲، ۱۹

[3] مصباح المتہجد، ص ۳۷۶، بحار الانوار (ط۔ بیروت) / ج 87. ص: 28

سے ہے، کیونکہ تمام ذرات وجود، اسم اللہ، کا تعین اور ایک اعتبار سے وہ خود، اسماء اللہ، ہیں۔ اس احتمال کی بنا پر، بسم اللہ کے معنی کثرت کے نقطہ نظر سے، ہر سورہ اور ہر قول وفعل میں الگ الگ ہیں۔ چنانچہ فقہاء کا کہنا ہے کہ بسم اللہ ہر سورہ کے لئے الگ الگ معین ہونا چاہئے۔ اگر ایک سورہ کے لئے بسم اللہ کہی گئی تو وہ دوسرے سورہ کے لئے کافی نہیں اور دوسرا سورہ بغیر بسم اللہ کے شروع نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات فقہی مسلک کے مطابق بھی بلا وجہ نہیں ہے اور اس مدلل تحقیق کے مطابق ہے، جو ہم نے عرفانی نقطہ نظر سے بیان کی) اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور میں کثرات کے فانی اور مضمحل ہونے کے نقطہ نظر سے ہر بسم اللہ کے ایک ہی معنی ہیں۔

چنانچہ یہی دو نظر مراتب وجود اور منازل غیب وشہود میں بھی ہیں، کثرت و رویت تعینات، کثرت کو قبول کرنے والے موجودات، مراتب وجود اور تعینات عالم کی نظر سے مختلف رحمانی و رحیمی، اور قہری ولطفی اسماء ہیں اور فیض مقدس کے ازلی نور میں کثرات کے فانی ومضمحل ہونے اور انوار وجودی کے محو ہونے کے اعتبار سے، فیض مقدس اور اسم جامع الٰہی ''اللہ'' کے سوا اور کسی چیز کے بارے میں کسی خبر واثر کا پتہ نہیں۔

اسماء وصفات الٰہیہ میں بھی یہی دو نظر ہیں۔ نظر اول کے لحاظ سے حضرت واحدیت مقام کثرت اسماء وصفات ہے اور تمام کثرات اسی کے حضور سے ہیں اور نظر دوم کے لحاظ سے حضرت اسم اللہ الاعظم کے سوا اور کچھ نام ونشان نہیں ہے۔ یہ دو نظر حکیمانہ اور فکری ہیں اور اگر عارفانہ نظر ہو تو سلوک اور ریاضات قلبیہ کے قدموں سے دل کے دروازوں کے کھلنے کے بعد حق تعالیٰ فعلی، اسمی اور ذاتی تجلیات سے کبھی کثرت کی صفت کے ساتھ اور کبھی وحدت کی صفت کے ساتھ، اصحاب معرفت کے دلوں میں تجلی کرتا ہے۔ ان تجلیات کی طرف قرآن میں اشارہ موجود ہے۔ کہیں صراحتاً جیسے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ [1]

اور کہیں اشارتاً جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدات جو سورۂ انعام اور سورۂ نجم، کی آیات شریفہ میں مذکور ہیں اور اخبار وادعیہ معصومین علیہم السلام میں ان کی طرف بہت اشارے موجود ہیں۔ خصوصاً دعائے عظیم الشان، سمات، میں جس کے متن یا سند سے انکار کی مخالفین کو جرات نہیں ہوسکتی اور عوام وخواص اور عارف و عامی سب میں مقبول ہے۔ اس دعائے شریف میں اعلیٰ مضامین ومعارف بہت ہیں۔ جن کی خوشبو قلب عارف کو بے خود بنا دیتی ہے اور اس نفحہ الٰہی کی نسیم روح سالک کو تازگی بخشتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

---

[1] توجب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی دکھائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑا دئے اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے، (سورہ اعراف، آیت ۱۴۳)

وَ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِى تَجَلَّيْتَ بِهِ لِلْجَبَلِ فَجَعَلْتَهُ دَكًّا وَ خَرَّ مُوسى صَعِقاً وَ بِمَجْدِكَ الَّذِى ظَهَرَ عَلَى طُورِ سَيْنَاءَ فَكَلَّمْتَ بِهِ عَبْدَكَ وَ رَسُولَكَ مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ وَبِطَلْعَتِكَ فِي سَاعِيرَ وَظُهُورِكَ فِي جَبَلِ فَارَانَ.[1]

تیری ذات کے اس نور کے جس کا جلوہ تونے پہاڑ پر ظاہر کیا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے سوالی ہوں بواسطہ تیری اس بزرگی کے جو طور سینا پر ظاہر ہوئی تو، تو اپنے بندے اور اپنے رسول موسیٰ بن عمران سے ہم کلام ہوا سوالی ہوں تیری نورانیت کے ذریعے جناب عیسیٰ کی مناجات کی جگہ میں اور تیرے نور کے ظہور کے ذریعے کوہ فاران میں۔

بالجملہ، سالک الی اللہ کو چاہئے کہ، تسمیہ، میں اپنے قلب کو سمجھائے کہ تمام موجودات ظاہر ہے و باطنہ اور تمام عوالم غیب وشہادت اسماء اللہ کے زیر تربیت، بلکہ ظہور اسماء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور اس قلب کی تمام حرکات وسکنات اور تمام عالم اسم اللہ الاعظم کی قیومیت سے ہے۔

پس اس کی تمام حمد وثنا حق کے لئے اور اس کے تمام عبادات و اطاعات اور توحید و اخلاص اسم اللہ کی قیومیت سے ہیں اور جب یہ مقام اور لطیف الٰہی رمز اس کے دل میں محکم و مستقر ہو جائے شدید تذکر کے وسیلہ سے ہو عبادات کی غرض و غایت ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خلوت انس و محفل قدس میں اپنے کلیم حضرت موسیٰ بن عمران سے فرمایا:

اِنَّنِىٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ.[2]

یقیناً میں خدائے واحد ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔لہٰذا میری عبادت کرو اور نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو۔

نماز کے قائم کرنے غرض و غایت اپنے ذکر کو برقرار دیا۔لہٰذا تذکر شدید کے بعد معارف کی دوسری راہ قلب عارف پر کھل جائے گی اور وہ عالم وحدت میں جذب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان حال اور اس کا قلب ایسا ہو جائے گا کہ:

بِاللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ.[3]

---

[1] دعائے سمات: مصباح المتہجد، ص ۳۷۶

[2] سورہ طٰہٰ، آیت ۱۴

[3] مکارم الاخلاق/ 248،ص: 247

اس کی حمد اسی طرف سے ہے۔

اور

اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ.[1]

اور

اَعُوذُبِكَ مِنْكَ.[2]

یہ بسم اللہ کی ''ب'' سے متعلق راز کا ایک اجمال اور اس سے حاصل ہونے والے معارف میں سے تھوڑا سا بیان ہے،لیکن،ب، اورنقطہ تحت الباء کے اسرار جو مقام ولایت علویؑ کے باطن میں مضمر ہیں اور مقام جمع الجمع قرآنی ہے۔اس کے بیان کے لئے ایک وسیع میدان چاہئے۔

رہی حقیقت الاسم تو اس کے لئے مقام غیبی اور غیب الغیبی اور سری وسرالسری ہے اور مقام ظہور وظہور الظہوری اور چونکہ اسم علامت حق ہے اورذات مقدس میں فانی ہے۔لہٰذا ہر وہ اسم جو افق وحدت سے نزدیک تر اور افق کثرت سے دورتر ہو وہ اسمیت میں کامل تر ہے اور اتم الاسماء وہ اسم ہے جو کثرات سے، یہاں تک کہ کثرت علمی سے بھی مبرّا ہو اوروہ اتم الاسماء مقام،فیض اقدس، پرحضور ذات میں تجلی غیبی احدی احمدی ہے کہ شاید جس کی طرف آیہ کریمہ ''اوادنٰی''[3] اشارہ ہو اور اس کے بعد حضور و احدیت میں حضرت اسم اللہ الاعظم کے ذریعہ تجلی ہے۔اس کے بعد،فیض مقدس کے ذریعہ تجلی ہے اور اس کے بعد صفت کثرت کے ذریعہ اعیان میں تجلی ہے آخر دار تحقق تک۔

راقم الحروف نے رسالہ مصباح الہدایۃ، اور رسالہ شرح دعائے سحر[4]، میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی ہے۔

اور ''اللہ'' مقام ظہور بہ ''فیض مقدس'' ہے۔اگر ''اسم'' سے مراد تعینات وجودیہ ہوں اور لفظ ''اللہ'' کا اطلاق اسم پر اتحاد ظاہر کی جہت،مظہر ہونے کے اعتبار سے اور اسم کے مسمی میں فانی ہونے کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں رکھتا

---

[1] مصباح الشریعۃ/ 56 / الباب الرابع والعشر ون فی الذکر

[2] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج 3 / 324 / باب السجود والتسبیح والدعاءص: 321

[3] فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. پس نزدیک ہوئے اتنا کہ ان کا فاصلہ اس سے دوکمال کے بقدر یا اس سے بھی قریب تھا، (سورہ نجم، آیت ۹)

[4] (شرح دعائے سحر حضرت امام خمینیؒ کے قلم مبارک کے رشحات میں ہے جو عربی زبان میں ہے جس کے لکھنے کی غرض اس کے مقدمہ میں جناب مؤلفؒ کی تعبیر کے مطابق اس دعائے شریف کے کچھ وجوہ کی شرح کرنا ہے جو دعائے، مباہلہ، کے نام سے مشہور ہے۔(دعائے وقت سحر جو ائمہ اطہار علیہم السلام سے مروی ہے) اس کتاب کی تالیف، ۱۳۴۹ھ ق میں انجام پائی)

اورشاید آیہ کریمہ ''اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(خدا تو سارے آسمان اور زمین کا نور ہے) [1] اور آیہ کریمہ "وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ" (اور آسمان میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور (وہی) زمین میں بھی معبود ہے) [2] اسی مقام کی طرف اشارہ اور اسی اطلاق کی شاہد ہو اور مقام واحدیت وجمع اسماء یا بالفاظ دیگر، مقام اسم اعظم ہے، اگر اسم سے مراد مقام تجلی بہ ''فیض مقدس'' ہو اور شاید یہی احتمال تمام احتمالات سے ظاہر تر ہے اور مقام ذات یا مقام ''فیض اقدس'' ہے اگر اسم سے مراد اسم اعظم ہو اور مقام رحمٰن و رحیم مذکورہ احتمالات کی بناپر اس سے فرق رکھتا ہے، جیسا کہ واضح ہے۔

اور ''رحمٰن'' و ''رحیم'' ہوسکتا ہے اسم کی صفت ہوں اور ہوسکتا ہے لفظ ''اللہ'' کی صفت ہوں، لیکن ان دونوں میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسم کی صفت ہوں کیونکہ یہ دونوں تحمید میں اللہ کی صفت ہیں۔ لہٰذا تسمیہ میں اس کی صفت قرار دینے سے تکرار کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اگر چہ لفظ ''اللہ'' کی صفت قرار دیئے جائیں تب بھی توجیہ کی جاسکتی ہے اور تکرار میں بھی بلاغت کا ایک نکتہ ہے اور اگر ہم اسم کی صفت فرض کریں تو یہ اس بات کی تائید ہوگی کہ اسم سے مراد اسمائے عینیہ ہیں کیونکہ صفات، رحمانیہ ورحیمیہ سے اسمائے عینیہ ہی متصف ہیں۔

پس اگر ''اسم'' سے مراد اسم ذاتی اور مقام جمعی کے ساتھ تجلی ہو تو ''رحمانیت'' و ''رحیمیت'' صفات ذاتیہ میں ہیں جو حضرت ''اسم اللہ'' کے لئے مقام واحدیت پر تجلیات میں ثابت ہیں اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ فعلیہ ان صفات ذاتیہ کے تنزلات ومظاہر میں سے ہے اور اگر اسم سے مراد تجلی جمعی فعلی ہو جو مقام مشیت ہے، تو رحمانیت و رحیمیت صفات افعال میں ہیں۔ اس لحاظ سے رحمت رحمانیہ اصل وجود کا بسط وامتداد ہے اور یہ تمام موجودات کے لئے عام ہے مگر حق تعالیٰ کے صفات خاصہ میں ہے، کیونکہ اصل وجود کے بسط پھیلاؤ میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دیگر موجودات کا ہاتھ رحمت ایجادی تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

ولا مُؤَثِّرَ فی الْوُجُودِ الّا اللّٰہ ولا الٰہَ فی دارِ التَّحَقُّقِ الّا اللّٰہ. [3]

لیکن رحمت ''رحیمیہ'' جس کے فیضان کا ایک حصہ ہادیان طریق کی ہدایت ہے وہ اگر چہ اہل سعادت اور علیین کی فطرت وسرشت کے ساتھ مختص ہے۔ سابق میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ رحمت رحیمیہ بھی ان رحمتوں میں سے ہے جو سب کے لئے عام ہیں اور اہل شقاوت اپنے نقص کی وجہ سے اس سے دور ہوجاتے ہیں ورنہ خود رحمت رحیمیہ محدود نہیں

---

[1] سورۂ نور:۳۵

[2] سورۂ زخرف:۸۴

[3] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) 22 در بیان اجمالی از تفسیر سورہ مبارکہ ''حمد'' ص:15

ہے۔ اسی لئے دعوت و ہدایت تمام نوع بشر کے لئے عام ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے رحمت رحیمیہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں۔ روایات شریفہ میں نظر و اعتبار کے فرق کے مطابق رحمت رحیمیہ کا مختلف انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔ کبھی فرمایا ہے:

الرَّحْمن اسمٌ خاصٌّ لصفةٍ عامَّةٍ و الرَّحِيمُ اسمٌ عامٌّ لصفةٍ خاصَّةٍ.. [1]

رحمٰن ایک اسم خاص ہے صفت عام کے لئے اور رحیم ایک اسم عام ہے صفت خاص کے لئے۔

اور کبھی یہ ارشاد ہوا ہے:

الرَّحْمَنُ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ وَ الرَّحِيمُ بِالْمُؤْمِنِينَ خَاصَّةً. [2]

تمام مخلوق پر بہت زیادہ مہربان اور مومنین پر خاص طور پر رحم کرنے والے۔

اور کبھی یہ فرمایا ہے:

يَا رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَ رَحِيمَ الْآخِرَة. [3]

اے رحمٰن دنیا و آخرت اور رحیم دنیا و آخرت میں۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

يا رَحْمانَ الدُّنيا وَ الاخِرَةِ وَ رَحِيمَهُمَا. [4]

تحقیق عرفانی

علمائے ادب کا کہنا ہے کہ، رحمٰن، اور رحیم، رحمت سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغہ کے لئے ہیں۔ البتہ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے اور اس بنا پر قیام کا تقاضا یہ تھا کہ رحیم کو رحمٰن پر مقدم رکھا جاتا، لیکن چونکہ رحمٰن بمنزلہ علم شخصی ہے اور دوسرے موجودات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسی کو مقدم رکھا گیا۔ بعض علماء نے دونوں کو ایک ہی معنی میں فرض

---

[1] تاج العروس من جواہر القاموس/ ج 16 / 278 / [رحم]:..... ص: 274

[2] معانی الاخبار/ النص/ 3 / باب معنی بسم اللہ الرحمن الرحیم..... ص: 3

[3] ثواب الاعمال وعقاب الاعمال/ النص/ 75 / ثواب التطوع لیلۃ العید..... ص: 75

[4] الاقبال بالاعمال الحسنۃ (ط-الحدیثۃ) / ج 2 / 85 / فصل (22) فیما نذکرہ من ادعیۃ یوم عرفۃ..... ص: 70

کیا ہے اوران کی تکرار کومحض تاکید قرار دیا ہے اور ذوق عرفانی،جس کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ قرآن نازل ہوا ہے۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ رحمٰن ہی رحیم پر مقدم رہے جیسا کہ ہے کیونکہ قرآن شریف اصحاب قلوب کے نزدیک تجلیات الٰہی سے نازل ہوا اور وہ اسمائے حسنیٰ کی مکتوبی صورت ہے اور چونکہ اسم رحمٰن اسم اعظم کے بعد محیط ترین اسمائے الٰہیہ ہے اوراصحاب معرفت کے نزدیک محقق ہے کہ اسمائے محاطہ کے ساتھ تجلی پر اسمائے محیطہ کے ساتھ تجلی مقدم ہے اور اسم جتنا زیادہ محیط ہے اس کے ساتھ تجلی بھی اتنی ہی مقدم ہے۔ اس جہت سے حضرت واحدیت میں پہلی تجلی اسم اللہ الاعظم کے ساتھ تجلی ہے اس کے بعد مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی رحیمیت کے ساتھ تجلی رحمانیت کے ساتھ تجلی کے بعد ہے۔ اسی طرح تجلی ظہور فعلی میں بھی مقام مشیت کے ساتھ تجلی جو اس منزل میں اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کا ظہور ذاتی ہے۔ تمام تجلیات پر مقدم ہے اور مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی، جو تمام موجودات عالم غیب و شہادت پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ۔ [۱] (میری رحمت تمام موجودات پر وسیع ہے) سائر تجلیات پر مقدم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ [۲] (اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے) بعض وجوہ سے۔

چونکہ ''بسم اللہ'' باطن و روح کے اعتبار سے تجلیات فعلیہ کی صورت ہے اور سر اور سر السر کے اعتبار سے تجلیات اسمائیہ، بلکہ تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور تجلیات مذکورہ مقام اللہ کے ساتھ پہلے اور مقام الرحمٰن کے سات اس کے بعد اور مقام الرحیم کے ساتھ اس کے بھی بعد ہیں۔ لہٰذا ان کی لفظی اور مکتوبی صورت بی اسی ترتیب کے ساتھ ہونا چاہئے تاکہ نظام الٰہی و ربانی کے مطابق رہے۔ لیکن رحمٰن و رحیم سورہ حمد میں رب العالمین سے مؤخر ہے۔ یہ فرق شاید اس لئے ہے کہ بسم اللہ میں غیب وجود کے بواطن سے ظہور وجود کا اعتبار کیا گیا ہے اور سورۂ مبارکہ میں ظہور وجود سے رجوع و بطون کا لیکن اس احتمال میں اشکال ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس فرق سے احاطہ رحمت، رحمانیہ و رحیمیہ کی طرف اشارہ مقصود ہو یا شاید اس میں کوئی اور نکتہ مضمر ہو۔ بہرصورت جو نکتہ بسم اللہ کے سلسلہ میں بیان ہوا وہ اس لائق ہے کہ سچ مانا جائے اور شاید یہ ناچیز راقم الحروف کے دل پر نازل ہونے والی رحمت رحیمیہ کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ عَلٰی مَآ اَنْعَمَ

---

[۱] سورۂ اعراف، ۱۵۶

[۲] بحارالانوار (ط۔ بیروت) / ج 91 / 386 / باب 52۔ ص: 372

تفصیلی بحث

علمائے ظاہر کا کہنا ہے کہ رحمٰن و رحیم، رحمت سے مشتق ہیں اوران میں عطوفت و رقت ماخوذ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

هُمَا اسْمَانِ رَفِيقَانِ اَحَدُهُمَا اَرْفَقُ مِنَ الآخَرِ ، فَالرَّحْمٰنُ اَلرَّقِيقُ وَ الرَّحِيمُ اَلْعَاطِفُ عَلٰى خَلْقِهِ بِالرِّزْقِ. [1]

یہ دو رحمن و رحیم دو لطف (لطف کے معنی پر مشتمل) نام ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ہے۔ رحمن کے معنی لطف کرنے والا اور رحیم کے معنی مہربانی کرنے والا اپنے بندوں پر رزق و نعمت عطا کر کے۔

اور چونکہ عطوفت و رقت کے لئے اثر قبول کرنا لازم ہے اور ذات مقدس ہر شے میں موثر ہے اور کسی قسم کا اثر قبول کرنے کا اس کے لئے سوال نہیں اٹھتا، لہٰذا اس ذات مقدس پر عطوفت و رقت کے اطلاق کی تاویل و توجیہ کی گئی ہے اور اسے مجاز مانا گیا ہے۔

چند لوگوں نے اس طرح کے اوصاف کو مطلق طور پر ''خذ الغایات واترک المبادی'' [2] کی قبیل سے قرار دیا ہے کہ حق تعالیٰ پر ان کا اطلاق آثار و افعال کے لحاظ سے ہے۔ مبادی و اوصاف کے اعتبار سے نہیں، لہٰذا حق تعالیٰ کے لئے ''رحیم'' اور ''رحمٰن'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے ساتھ رحمت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ بلکہ معتزلہ تو حق تعالیٰ کے تمام اوصاف کو ایسا یا تقریباً ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر حق تعالیٰ کے لئے ان تمام اوصاف کا اطلاق بھی مجاز ہے اور بہر صورت، مجاز ہونا بعید ہے۔ خصوصاً ''رحمٰن'' میں، کیونکہ ایسا مان لینے سے ایک عجیب امر لازم آتا ہے۔ وہ عجیب امر یہ ہے کہ کلمہ اس معنی کے لئے وضع ہوا ہے جس میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور در حقیقت یہ ایسا مجاز ہے

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین سیوطی، ج۱، ص۹، نقل از بیہقی در اسماء وصفات

[2] (مقاصد کو لے لو اور مقدمات کو ترک کر دو، از (خذ الغایات ودع المبادی) بولی جانے والی کہاوتوں میں سے ہے، (اسرار الحکم سبزواری، ص ۵۲)

جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔مقام غور وفکر ہے۔

اہل تحقیق نے اس کے جواب میں اس طرح کے اشکالات بیان کئے ہیں کہ یہ الفاظ معانی عامہ اور حقائق مطلقہ کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔لہٰذا اس بنا پر عطوفت ورقت کی قید لفظ رحمت کے موضوع لہ میں شامل نہیں ہے اور یہ قید عام لوگوں کے ذہن کی تراشی ہوئی ہے۔ورنہ اصل وضع میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔یہ مطلب ظاہر کے لحاظ سے تحقیق سے بعید ہے۔کیونکہ معلوم ہے کہ واضع بھی انہیں معمولی اشخاص میں سے تھا اور اس کی نظر میں معانی مجردہ اور حقائق مطلقہ ان الفاظ کو وضع کرتے وقت نہیں تھے۔ہاں! اگر واضع حق تعالیٰ ہو یا وحی والہام الٰہی سے یہ الفاظ انبیاء کرام نے وضع کئے ہوں تو اس مطلب کے لئے یہ ایک وجہ ہوگی۔لیکن یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

ظاہراً یہ کلام خدشہ سے خالی نہیں ہے،لیکن یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اہل تحقیق کی مراد یہ ظاہر ہی ہے، بلکہ ان کے مراد کی وضاحت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ واضع لغات نے اگرچہ وضع کرتے وقت معانی مجردہ کو نظر میں نہیں رکھا۔لیکن الفاظ کے مقابل جو کچھ وضع ہوا وہ وہی معانی مجردہ مطلقہ ہیں۔مثلاً لفظ (نور) کو واضع نے وضع کرنا چاہا تو واضع کی نظر میں جو انوار آئے وہ یہی حسی اور عرضی انوار تھے۔کیونکہ وہ ان انوار کے علاوہ کسی نور کو جانتا ہی نہ تھا۔لیکن لفظ ''نور'' جس کے مقابل واقع ہوا وہ اس کے نور ہونے کی جہت ہی تھی نور کے ظلمت سے اختلاط کی جہت نہیں تھی کہ اگر اس سے سوال کیا جاتا کہ یہ عرضی محدود انوار نور صرف نہیں ہیں۔بلکہ ظلمت وفتور سے مخلوط نور ہیں تو یہ جو تم نے لفظ نور کو وضع کیا ہے وہ جہت نوریت کے مقابل ہے یا نوریت اور اس میں مخلوط اس کی ظلمانیت دونوں کے لئے؟ تو بداہتہ اس کا جواب یہی ہوتا کہ جہت نوریت کے مقابل میں ہے اور جہت ظلمت کسی رخ سے بھی موضوع لہ میں دخیل نہیں ہے۔چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ جس واضع نے لفظ ''نار'' وضع کیا ہے اس کے پیش نظر وضع کے وقت نار دنیاوی کے علاوہ کوئی نار نہ تھی اور اس وضع کے اس حقیقت کی طرف منتقل ہونے کے جو بھی کچھ اسباب ہیں وہ یہی نار ہائے دنیائی ہیں۔وہ نار آخرت اور "نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ"[1] (خدا کی آگ وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس کا شعلہ دلوں تک پہنچتا ہے) سے غافل تھا۔

خصوصاً اگر واضع دوسرے عالم کا عقیدہ نہ رکھتا رہا ہو تب تو یہ وسیلہ انتقال حقیقت میں قید کا سبب ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ،نار،اسی جہت ناریت کے مقابل واقع ہوا ہے (جو واضع کے پیش نظر تھی) ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ خود واضع نے معانی مجردہ مراد لئے تھے کہ کوئی عجیب وغریب اور فہم سے بعید بات معلوم ہو، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ الفاظ معانی کی

[1] سورۂ ہمزہ،آیت ٦،٧

انہیں جہتوں میں یعنی کوئی قید لگائے بغیر واقع ہوئے ہیں اور اس بنا پر کسی جہت استبعادی کا دخل نہیں رہتا اور معنی جس قدر غرابت اور اجنبیت سے خالی ہوتے ہیں اسی قدر حقیقت سے قریب اور مجازیت کے شائبہ سے دور ہوتے ہیں، مثلاً کلمہ نور جو بالذات جہت ظاہریت کے لئے اور للغیر جہت مظہریت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا اطلاق ان عرضی دنیاوی انور پر حقیقت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ ان پر اطلاق سے مقصود محدودیت اور ظلمات سے مخلوط ہونا نہیں ہے، بلکہ ظہور ذاتی اور مظہریت ہی پیش نظر ہے، لیکن اس کا اطلاق انوار ملکوتیہ پر جن کا ظہور کامل تر اور افق ذاتیت سے قریب تر ہے اور ان کی مظہریت کم و کیف دونوں اعتبار سے بیش تر ہے اور ان کا ظلمت سے اختلاط اور نقص کمتر ہے، حقیقت سے زیادہ قریب ہے اور اس کا اطلاق ذات مقدس حق تعالیٰ پر جو نور الانوار و تمام جہات ظلمت سے خالص اور محض نور و نور محض ہے، حقیقت محض و محض حقیقت ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر نور کی وضع (ظاہر بذاتہ اور مظہر لغیرہ) کے لئے ہوئی ہو تو حق تعالیٰ کے علاوہ کسی پر اس کا اطلاق عقول جزئیہ کے نزدیک حقیقت ہوسکتا ہے، لیکن اہل معرفت اور عقول مؤیدہ کی نظر میں مجاز ہے اور صرف حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق حقیقت ہے۔ اسی طرح تمام وہ الفاظ جو معانی کمالیہ یعنی ان امور کے لئے وضع ہوئے ہیں جو اصل وجود و کمال سے ہیں، یہی حکم رکھتے ہیں۔

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ رحمٰن، رحیم، عطوف، رؤف اور ان جیسے اسماء میں ایک جہت کمال و تمام کی ہے اور ایک جہت انفعال و نقص کی اور یہ الفاظ جہت کمالیہ کے مقابل وضع کئے گئے ہیں جو ان کی اصل حقیقت ہے، رہیں جہات انفعالیہ جو نشوونما کے لوازم اور حقیقت کے غیر اور اجنبی ہیں ہیں جو ان حقیقتوں سے اس وقت متلازم ہوئیں جب یہ حقیقتیں صفحات امکان اور عوالم دنیا میں اتریں جس طرح ظلمت، اماکن کے پست عالم میں نور سے مخلوط ہوئی ہے تو وہ معنی موضوع کہ میں کوئی دخل نہیں رکھتیں۔ لہٰذا ان کا اطلاق اس موجود پر جس میں صرف جہت کمال ہے اور جہات انفعال و نقص سے مطلقاً مبرا ہے، صرف حقیقت اور حقیقت صرف ہے اور یہ مطلب اس بیان کے ساتھ نہ صرف اہل معرفت کے ذوق سے نزدیک ہے، بلکہ اہل ظاہر کے وجدان سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

اس بنا پر معلوم ہوا کہ اس طرح کے اوصاف کمال جو بعض نشوونمائی منازل میں تنزل کی وجہ سے کسی دوسرے ایسے امر سے مخلوط ہو گئے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی ذات مقدس مبرا ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے ان کا اطلاق مجاز نہیں ہے۔ واللہ الھادی۔

قولہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ.....

یعنی حمد و ستائش کی تمام انواع و اقسام ذات مقدس الوہیت کے ساتھ خاص ہیں۔ اے عزیز! یہ سمجھ لو کہ اس کلمہ شریفہ کی تہ میں سر توحید خاص، بلکہ اخص خواص ہے اور تمام حمد و ستائش کرنے والوں کی حمد و ستائش کا حق تعالیٰ کے

ساتھ خاص ہونا، برہان کے مطابق اصحاب حکمت اور ائمہ فلسفہ عالیہ کے نزدیک واضح و آشکار ہے، کیونکہ برہان سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دار تحقق حضرت حق تعالیٰ کا ظل منبسط (پھیلا ہوا سایہ) اور فیض مبسوط (وسیع فیض) ہے اور تمام ظاہری و باطنی نعمتیں، وہ بظاہر اور عام نظروں میں کسی بھی منعم کی طرف سے ہوں، حق تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور موجودات میں کوئی بھی ان میں شریک نہیں ہے، یہاں تک کہ اعداد کی شرکت بھی اہل فلسفہ عامیہ کے نزدیک تو ہے مگر اہل فلسفہ عالیہ کے نزدیک وہ بھی نہیں۔ پس حمد چونکہ نعمت او رانعام و احسان کے مقابل میں ہے اور حق تعالیٰ کے علاوہ دار تحقق میں کوئی منعم نہیں ہے۔ لہٰذا تمام حمد و ستائش اسی کے ساتھ مختص ہے اور کوئی جمال وجمیل اس کے جمال اور اس کے علاوہ نہیں۔ لہٰذا تمام حمد و ستائش کا مرجع وہی ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہر حمد کرنے والے کی حمد اور ہر مدح کرنے والے کی مدح جہت نعمت وکمال کے مقابل میں ہے اور کمال ونعمت کا محل ومورد جس کی تنقیص وتحدید کی ہے، کسی طرح بھی ثنا و ستائش میں دخیل نہیں ہے، بلکہ وہ ثناو ستائش کے منافی ومتضاد ہے۔ لہٰذا تمام حمد و ستائش اور مدح وثنا ربوبیت ہی کا حق، جو کمال و جمال ہے، قرار پاتی ہے۔ نہ مخلوق کا حق، جو ناقص اور محدود ہے۔

یہ بیان دیگر، فطرت الٰہیہ کا ایک تقاضا جس پر تمام مخلوقات خلق ہوئے ہیں ثنائے کامل اور شکر وحمد منعم ہے اور فطرت الٰہیہ ہی کا ایک تقاضا نقص، ناقص اور نعمت کی منفعت کرنے والے سے تنفر ہے اور چونکہ نعمت مطلقہ جو ہر نقص سے مبرا ہو اور جمال کامل اور کمال تام جو ہر نقص سے مبرا ہو وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور دوسرے موجودات نعمات مطلقہ اور جمال مطلق کی تنقیص وتحدید کرتے ہیں تزئید وتائید نہیں کرتے۔ اس لئے تمام لوگوں کی فطرتیں اسی کی ذات مقدس کی ثناء جو اور ستائش گو ہیں اور دوسرے موجودات سے متنفر ہیں۔ علاوہ ان ہستیوں کے جو ممالک کمال اور شہر ہائے عشق میں سیر کے مطابق ذات ذوالجلال میں فانی ہوجاتی ہیں، ان سے عشق اور ان سے محبت اور ان کی ثنا و ستائش عین عشق حق اور ثنا و ستائش حق ہے۔

حب خاصان خدا حب خدا است
عشق خاصان خدا، عشق خدا[1]

یہاں تک بھی جو کچھ ذکر کیا گیا وہ درمیانی درجہ رکھنے والوں کے مقامات کے مطابق ہے جو ان مقامات تک پہنچے ہیں مگر پھر بھی حجاب کثرت میں ہیں اور شرک خفی واخفی کے تمام مراتب سے مبرا نہیں ہوئے اور مراتب خلوص و اخلاص

---

[1] اللہ کے خاص ومحبوب بندوں سے محبت خود اللہ سے محبت ہے اور ان سے عق اللہ سے عشق ہے۔

کے کمال تک نہیں پہنچے ہیں۔

لیکن ان لوگوں کے عرفان کے مطابق جن کے قلوب بعض خاص حالات میں فانی ہو جاتے ہیں، تمام نعمتیں اور تمام کمال و جمال وجلال صورت تجلی ذاتی ہے اور تمام محامد و مدائح ذات مقدس حق تعالیٰ سے مربوط ہیں، بلکہ مدح وحمد خود اس سے اسی کے لئے ہے۔ چنانچہ ''بسم اللہ'' کا ''الحمد للہ'' سے تعلق اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

اورمعلوم ہو کہ سالک الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کو ان معارف کی علمی حد پر قناعت نہیں کئے رہنا چاہئے اور ساری زندگی استدلال ہی میں صرف نہ کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ حجاب، بلکہ حجاب اعظم ہے۔ یہ مرحلہ لکڑی کے پیروں [1] بلکہ مرغ سلیمان [2] سے بھی طے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وادی، مقدسین کی وادی ہے اور یہ مرحلہ خالصین کا مرحلہ ہے جب تک حب جاہ وشرف اور حب زن وفرزند کی نعلین نہ اتار دی جائیں اور غیر پر اعتماد اور اس کی طرف توجہ کا عصا ہاتھ سے پھینک نہ دیا جائے، وادیٔ مقدس میں قدم رکھنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ وادی جائیگاہ مخلصین اور منزل گاہ مقدسین ہے۔ اگر سالک نے حقائق اخلاص کے ساتھ اس وادی میں قدم رکھا اور کثرات اور دنیا کو ٹھوکر مار دی، جو خیال اندر خیال سے زیادہ کچھ نہیں، ہے تو اگر انانیت سے کچھ باقی بھی رہ گیا ہوگا تو عالم غیب سے اس کی دستگیری ہوگی اور تجلیات الٰہیہ سے اس کی انیت کا پہاڑ شکستہ ہو جائے گا اور حال ''صعق'' و''فنا'' اسے حاصل ہو جائے گا۔ یہ مقامات اس سخت دلوں کو بہت ناگوار ہوتے ہیں اور انہیں اوہام کی من گھڑت قرار دیتے ہیں جن کو دنیا اور لذات دنیا کے علاوہ کچھ معلوم نہیں اور غرور شیطانی کے علاوہ کسی چیز سے آشنا نہیں۔ حالانکہ جس فنا کا ادعا اصحاب عرفان وسلوک کرتے ہیں اس سے کئی گنا عجیب و غریب تو یہ فنا ہے جو ہم اب مادیت اور اس دنیا میں رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم ان تمام عوالم غیب سے غافل ہیں جو ہر جہت اور ہر حیثیت سے اس عالم سے زیادہ ظاہر ہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات تک سے غافل ہیں جس کی ذات سے ظہور مختص ہے اور ان عوالم اور حق تعالیٰ کی ذات مقدس کے اثبات کے لئے ہم برہان و استدلال کے دامن میں پناہ

---

[1] اشارہ ہے مولانا رومؒ کی اس بیت کی طرف:

پای استدلالیان چوبین بود
پای چوبین سخت بے تمکین بود

[2] اشارہ ہے حافظؒ کے اس شعر کی طرف:

من بہ سر منزل عنقا نہ بہ خود بردم
راہ قطع این مرحلہ بامرغ سلیمان کردم

کب گیا تھا میں سر منزل عنقا خود سے لے گیا ساتھ وہاں مرغ سلیمان مجھ سے۔

ڈھونڈتے ہیں۔

حیرت اندر آید زین قصص
بی ہشی خاصگان اندر اخس[۱]
کتنی حیرت خیز ہے یہ داستان
اتنی عام اور بے ہشی خاصگان

''اخص'' اگر ''صاد'' سے ہوتو اس قدر حیرت کی بات نہیں، کیونکہ ناقص کا کامل میں فنا ہونا ایک طبعی امر ہے اورسنت الٰہیہ کے مطابق ہے۔لہٰذا حیرت اس صورت میں ہے جب ''اخس'' ''سین'' سے ہو۔ چنانچہ ہم سب کے لئے اس دنیا میں اس طرح کی بے ہوشی او رفنا موجود ہے اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں مادیت میں اس طرح غرق اورفانی ہیں کہ عالم غیب کے غلغلوں اور ہنگاموں کی ہمیں کچھ بھی خبر نہیں ہے۔

نقل و تحقیق

علمائے ادب وظاہر کہتے ہیں کہ (حمد،فعل جمیل اختیاری پر زبان سے مدح وثنا) کا نام ہے اور چونکہ یہ لوگ اس گوشت کے ٹکڑے سے بنی ہوئی زبان کے علاوہ دوسری تمام زبانوں سے بے خبر ہیں، اس لئے حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید، بلکہ کلام ذات مقدس کو مطلقاً مجازی نوعیت پر محمول کرتے ہیں۔لہٰذا حق تعالیٰ کے تکلم کو ایجاد کلام سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے موجودات کی تسبیح وتحمید کو ذاتی اور تکوینی سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے درحقیقت نطق کو اپنی نوع میں منحصر سمجھا ہے اور ذات مقدس حق تعالیٰ اور دیگر موجودات کو غیر ناطق بلکہ (پناہ بخدا) گونگا سمجھ رکھا ہے ان کے گمان میں یہ ''تنزیہ ذات مقدس'' ہے حالانکہ یہ تحدید بلکہ تعطیل ہے اورحق ایسی تنزیہ سے منزہ ہے۔جیسا کہ عامہ اکثریت تنزیہات،تحدید وتشبیہ ہیں۔

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ الفاظ معانی عامہ مطلقہ کے لئے کئے وضع ہوئے اوراب یہ کہتے ہیں کہ: ہم

---

[۱] (بعض نسخوں میں یوں تحریر ہے:

حیرت اندر حیرت آمد این قصص
بی ہشی خاصگان اندر اخص،

مولویؒ

کو وضع کی پابندی کی اس قدر ضرورت نہیں ہے کہ ان الٰہی حقائق میں بھی صدق لغوی یا حقیقت لغویہ بھی بیان سابق کے مطابق ثابت ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ زبان، تکلم وکلام، کتابت و کتاب اور حمد و مدح کے نشو ونمائے وجودیہ کے اعتبار سے مراتب ہیں۔جن میں ہر ایک کسی نشو ونمائی مرحلہ اور مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور چونکہ حمد ہر مورد میں کسی فعل جمیل پر اور مدح ہر جمال وکمال پر ہوتی ہے۔لہٰذا جب حق تعالیٰ نے اپنے علم ذاتی کے مطابق، غیب ہویت کے حضور میں اپنے جمال جمیل کا علم وشہود کے کامل ترین مرتبہ کے ساتھ مشاہدہ کیا تو خوشنودی و رضا کے اشد مراتب کے ساتھ اپنی ذات جمیل سے راضی وخوشنود تھا۔ پس تجلیات کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ اپنی ذات کے لئے اپنی ذات کے حضور میں تجلی ازلی کے ساتھ تجلی فرمائی۔ یہی تجلی اور مکنون غیبی میں جو کچھ بھی تھا اس کا اظہار اور مقارعہ ذاتیہ کلام ذاتی ہے جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی کا مشاہدہ، سماعت ذاتی، ہے اور ذات حق کے لئے یہ ثنائے ذات ہی، ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں، چنانچہ خود اقرب کلام ذاتی جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی مشاہدہ سماعت ذاتی ہے اور ذات حق کے لئے ثنائے ذات ہی ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں۔ یہاں تک کہ اقرب و اشرف موجودات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اعتراف عجز فرمایا۔فرماتے ہیں:

لَا اُحۡصِی ثَنَاءً عَلَیۡكَ اَنۡتَ کَمَا اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ.[1]

میں تیری ستائش نہیں کرسکتا تو ویسا ہے جیسی تو نے خود اپنی ستائش کی ہے

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ احصاء ثنا معرفت کمال و جمال کی فرع ہے اور جب جمال مطلق کی کامل مغفرت ہو ہی نہیں سکتی تو اس کی ثنائے حقیقی بھی نہیں ہوسکتی اور اصحاب معرفت کی غایت معرفت یہ ہے کہ اپنے عجز کا عرفان حاصل کرلیں۔

اول: لسان ذات من حیث ہی۔

دوسرے: لسان احدیت غیب۔

تیسرے: لسان واحدیت جمعیہ۔

چوتھے: لسان اسمائے تفصیلیہ۔

پانچویں: لسان اعیان۔

[1] مصباح الشریعہ، باب ۵، غوالی اللئالی، ج۱، ص ۳۸۹

یہ زبانیں لسان ظہور کے علاوہ ہیں جن میں پہلی لسان مشیت ہے۔ مراتب تعینات کے آخر تک کہ لسان کثرت وجود یہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام موجودات کے لئے عالم غیب سے جو حیات محض ہے، حق بلکہ حقوق ہیں اور حیات تمام دار وجود میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہ مطلب ارباب فلسفہ عالیہ کے نزدیک برہان سے اور اصحاب قلوب و معرفت کے نزدیک مشاہدہ و عیان سے ثابت ہے اور آیات شریفہ الٰہیہ اور احادیث اولیائے وحی علیہم السلام اس پر واضح طور سے دلالت کرتی ہیں اور اہل معرفت عامیہ اور اہل ظاہر میں سے جو لوگ محجوب ہیں اور موجودات کے نطق کا ادارک نہیں کر سکے ہیں، وہ توجیہ و تاویل میں لگ گئے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل ظاہر جو اہل فلسفہ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کی اپنی عقل کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔ وہ خود (اہل فلسفہ ہی کی طرح) ان تمام آیات صریحۃ، اور احادیث صحیحہ کی تاویل کرتے ہیں اور صرف اس لئے کہ موجودات کے نطق کا ادارک نہیں کر سکے ہیں۔ حالانکہ اس تاویل کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل اور کوئی برہان نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن کی تاویل برہان کے بغیر محض استبعاد کے ذریعہ کرتے ہیں۔

دار وجود اصل حیات او رحقیقت علم وشعور ہے اور تسبیح موجودات تسبیح نطقی شعوری ارادی ہے، تکوینی ذاتی نہیں، جیسا کہ محجوبین کہتے ہیں اور تمام موجودات، وجود کا جس قدر بھی حق و نصیب ان کو ملا ہے اسی قدر مقام باری تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ مادیت میں اشتغال اور کثرت میں استغراق تمام موجودات کے درمیان سب سے زیادہ انسان رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام موجودات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محجوب ہے۔ ہاں! اگر بشریت کے لبادہ سے نکل آئے اور کثرت و غیریت کے حجابوں کو چاک کردے تو بے حجاب مشاہدہ جمال جمیل کر سکتے ہے۔ اس وقت اس کی حمد و مدح ہر موجود کی حمد و مدح سے جامع تر ہو گی اور وہ تمام شئون الٰہیہ اور تمام اسماء و صفات کے ساتھ ستائش و عبادت حق کرے گا۔

تتمیم

مذکورہ بیان کے مطابق کلمہ شریفہ ''الحمد للہ'' ان جامع کلمات میں سے ہے کہ اگر کوئی اس کے لطائف و حقائق کے ساتھ تحمید کرے تو بشری طاقت کے بقدر اس نے حمد کا حق ادا کر دیا۔ اسی لئے احادیث شریفہ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام کسی مکان سے نکلے تو دیکھا کہ مرکب (سواری کا جانور) نظر نہیں آ رہا ہے۔

فرمایا: اگر میری سواری مل گئی تو خدائے تعالیٰ کی اس طرح حمد کروں گا جو حمد کرنے کا حق ہے۔ جب سواری مل گئی تو سوار ہوئے اور اپنے لباس کو درست کیا اور فرمایا: الحمد للہ، [۱]

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''لا الہ الا اللہ'' نصف میزان ہے اور الحمد للہ، میزان کو پر کر دیتی ہے، [۲]

اور یہ اس لئے ہے کہ اس بیان کے مطابق جو ہم کر چکے، الحمد للہ جامع توحید بھی ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

بندہ کا الحمد للہ کہنا اس کا میزان میں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے زیادہ وزن رکھتا ہے، [۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

اگر خداوند عالم اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو ساری دنیا عطا کر دے اس کے بعد وہ بندہ کہے، الحمد للہ، تو جو اس نے کہا وہ اس سے افضل ہے جو اس کو عطا ہوا، [۴]

یہ حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ: اللہ کے نزدیک کوئی چیز الحمد للہ کہنے والے کے اس کہنے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور اسی لئے خدا نے خود اپنی ثنا اسی کلمہ سے کی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں۔

قولہ تعالیٰ: رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①

''رب'' اگر متعالی، ثابت اور سید کے معنی میں ہو تو اسمائے ذاتیہ میں ہے اور اگر مالک، صاحب غالب اور قاہر کے معنی میں ہو تو اسمائے صفتیہ میں ہے اور اگر مربی، منعم اور متمم کے معنی میں ہو تو اسمائے افعالیہ میں ہے۔

اور ''عالم'' سے اگر ماسوائے اللہ مراد ہو، جو وجود کے تمام مراتب اور غیب وشہود کی تمام منازل کو شامل ہے تو ''رب'' کو اسمائے صفات میں فرض کرنا چاہئے اور اگر، عالم ملک، مراد ہے جو تدریجاً حاصل ہوتا ہے اور تدریجاً کمال کو پہنچتا ہے تو ''رب'' کو اسمائے افعال میں ماننا چاہئے۔

---

[۱] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۵۲، کتاب الایمان والکفر، باب الشکر، حدیث ۱۸

[۲] بحار الانوار، ج ۹۰، ص ۲۱۰، امالی طوسی، ج ۱، ص ۱۸ سے نقل کیا

[۳] مستدرک الوسائل، چاپ مؤسسہ آل البیتؑ، ج ۵، ص ۳۱۴

[۴] مکارم الاخلاق، ص ۳۰۷، الباب العاشر، الفصل الثالث فی الحمید

بہر حال؛ یہاں اسم ذات مراد نہیں ہے اور شاید ایک نکتہ کی بنا پر عالمین سے مراد یہی علوم ملکیہ ہوں جو الٰہی تربیت ومشیت کے تحت اپنے مناسب کمال تک پہنچتے ہیں اور ''رب'' سے مراد مربی ہو جو اسمائے افعال میں ہے۔

اور معلوم رہے کہ ہم اس رسالہ میں آیات کی ترکیبی، لغوی اور ادبی جہتوں سے صرف نظر کر رہے ہیں، کیونکہ ان سے اکثر لوگوں نے بحث کی ہے۔ بعض امور جن سے یا تو اصلاً تعرض ہی نہیں کیا گیا یا کم ذکر کیا گیا، یہاں ہم انہیں کا ذکر کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اسمائے، ذات، صفات اور افعال، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ارباب معفرت کی اصطلاح کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مشائخ اہل معرفت نے کتاب انشاء الدوائر میں اسماء کو، اسمائے ذات، اسمائے صفات اور اسمائے افعال، میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے:

واسماء الذات هو:

الله، الرب، الملك، القدوس، السلام، المؤمن، المهيمن، العزيز، الجبار، المتكبر، العلى، العظيم، الظاهر، الباطن، الاول، الاخر، الكبير، الجليل، المجيد، الحق، المبين، الواجد، الماجد، الصمد، المتعالى، الغنى، النور، الوارث، ذوالجلال، الرقيب)

واسماء الصفات هى:

الحى، الشكور، القهار، القاهر، المقتدر، القوى، القادر، الرحمٰن، الرحيم، الكريم، الغفار، الغفور، الودود، الرؤوف، الحليم، الصبور، البر، العليم، الخبير، المحصى، الحكيم، الشهيد، السميع، البصير)۔

واسماء الافعال هو:

المبدى، الوكيل، الباعث، المجيب، الواسع، الحسيب، المقيت، الحفيظ، الخالق، البارء، المصور، الوهاب، الرزاق، الفتاح، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، الحكيم، العدل، اللطيف، المعيد، المحى، المميت، الوالى، التواب، المنتقم، المقسط، الجامع، المغنى، المانع، الضار، النافع،

الھادی البدیع، الرشید۔[1] انتہیٰ

اس تقسیم کی میزان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر چہ تمام اسماء ذات ہیں لیکن ظہور ذات کے اعتبار سے، اسماء ذات کہتے ہیں۔ظہور صفات کے اعتبار سے، اسمائے صفات اور ظہور افعال کے اعتبار سے، اسمائے افعال کہتے ہیں، یعنی جو اعتبار جس اسم میں زیادہ ظاہر ہوا، اسم اس کے تابع ہو گیا۔ اس طرح کبھی بعض اسماء میں دو یا تین اعتبار جمع ہو جاتے ہیں اور اس جہت سے اسماء، ذاتی، صفاتی اور افعالی ہو جاتے ہیں یا ان تینوں میں سے کوئی دو۔ جیسے رب، جیسا کہ ذکر ہو چکا، لیکن یہ مطلب راقم الحروف کی نظر میں درست نہیں ہے اور ذوق عرفانی سے مطابقت نہیں رکھتا، بلکہ اس تقسیم میں جو بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میزان ان اسماء میں یہ ہے کہ سالک مغفرت کے قدموں سے بڑھتا ہے تو اس کو فنائے فعلی حاصل ہونے کے بعد حق تعالیٰ جو تجلیات اس کے قلب پر ظاہر کرتا ہے وہ اسمائے افعال کی تجلیات ہیں اور جب فنائے صفاتی حاصل کر لیتا ہے تو اسمائے صفات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور جب فنائے ذاتی حاصل کر لیتا ہے تو اسمائے ذات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور اگر اس کے قلب میں صحو (بے خودی کے بعد خودی) کے بعد حفظ کی قدرت ہوئی تو جو مشاہدات افعالی کی خبر دیں وہ اسمائے افعال ہیں اور جو مشاہدات صفاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے صفات ہیں اور جو مشاہدات ذاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے ذات ہیں۔

اس مقام کی ایک تفصیل ہے جو ان اوراق کے مناسب نہیں ہے اور انشاء الدوائر میں جو کچھ مذکور ہوا ہے وہ اس میزان کے مطابق بھی صحیح نہیں ہے جو صاحب کتاب نے خود معین کی ہے۔ جیسا کہ اسماء پر نظر کرنے سے واضح ہے۔

اور کہا جا سکتا ہے کہ (اسمائے ثلاثہ) کی اس تقسیم کی طرف قرآن شریف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ سورۂ حشر کی آخری آیتیں ہیں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٤﴾[2]

وہ ہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہ

---

[1] انشاء الدوائر، ص ۲۸

[2] سورہ حشر: ۲۲ تا ۲۴

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں (حقیقی) بادشاہ، پاک ذات، (ہر عیب سے) بَری، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا یہ لوگ جس کو (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں اس سے پاک ہے۔ وہی خدا (تمام چیزوں کا) خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا ہے اسی کے اچھے اچھے نام ہیں جو چیزیں سارے آسمان وزمین میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتی ہیں۔ اوروہی غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات شریفہ میں شاید پہلی آیت اسمائے ذاتیہ کی طرف، دوسری آیت اسمائے صفاتیہ کی طرف اور تیسری آیت اسمائے افعالیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اسمائے ذاتیہ کا ذکر اسمائے صفاتیہ سے پہلے اور اسمائے صفاتیہ کا ذکر اسمائے افعالیہ سے پہلے حقائق وجودیہ اور تجلیات الٰہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ اصحاب مشاہدہ کے مشاہدات اورارباب قلوب کے قلوب پر تجلیات کی ترتیب کے مطابق نہیں اور معلوم رہنا چاہئے کہ آیات شریفہ میں اور بھی رموز ہیں جن کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں۔ یہ بات کی آیہ دوم اسمائے صفاتیہ اور آیت سوم اسمائے افعالیہ ہیں، واضح ہے۔ لیکن "عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" اور رحمٰن ورحیم، کا اسمائے ذاتیہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ''غیب وشہادت'' سے مراد اسمائے باطنہ وظاہر ہوں اور ''رحمانیت ورحیمیت'' تجلیات ''فیض اقدس'' سے ہوں اور نہ تجلیات ''فیض مقدس'' سے اورانہیں اسماء کے ذکر کو یہاں پر مختص کرنا، حالانکہ ''حی وثابت ورب'' اوران جیسے اوراسماء، اسمائے ذاتیہ سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتے ہیں، شاید ان کے احاطہ کے لئے ہوں کیونکہ یہ امہات اسماء ذاتیہ میں سے ہیں۔ واللہ العالم۔

تنبیہ

لفظ ''عالمین'' اوراس کے اشتقاق اورمعنی میں اختلاف عظیم واقع ہوا ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ ''عالمین'' جمع ہے اور تمام اصناف خلق کو شامل ہے، چاہے وہ مادی ہوں یا مجرد اور ہر صفت خود بھی ایک عالم ہے اور یہ جمع اپنی جنس سے کوئی مفرد نہیں رکھتی ہے۔ یہ ایک مشہور قول ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ: عالَم بفتح لام، اسم مفعول اور عالِم بکسر لام اسم فاعل ہے اور عالمین، معلومین کے معنی میں ہے۔ یہ قول علاوہ اس کے دعوائے بے دلیل اور بعید ہے ''رب المعلومین'' کا اطلاق بہت ہی سرد اور بے موقع ہے۔

بعض نے اس کا اشتقاق ''علامت'' سے قرار دیا ہے۔ اس صورت میں اس کا اطلاق تمام موجودات پر ہوسکتا ہے کیونکہ سب ہی ذات مقدس کی علامت، نشانی اور آیت ہیں اور ''واؤ'' اور ''نون'' کا استعمال اس میں ذوی العقول کے شامل ہونے اور دوسرے موجودات پر ان کی اغلبیت کی وجہ سے ہے۔

بعض اس کو ''علم'' سے مشتق جانتے ہیں۔ ہرصورت میں جمیع موجودات پر اس کا اطلاق صحیح ہے، جیسا کہ ذوی العقول پر اطلاق بھی وجہ رکھتا ہے،لیکن ''عالم'' کا اطلاق ماسوائے اللہ پر ہوتا ہے اورکبھی ہر صنف اور ہر فرد پر بھی ہوتا ہے اوراگر وہ شخص جو''عالم'' کا ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کرے اہل عرف اوراہل لغت میں سے ہوتو یہ اطلاق اس اعتبار سے ہوگا کہ ہرفرد ذات باری کی علامت ہے۔ ''وفی کل شی لہ آیۃ''[1]

اگر عارف الٰہی ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کر رہا ہوتو وہ اس اعتبار سے ہوگا کہ ہر موجود،احدیت جمع اور سروجود کے ظہور کے اعتبار سے اسم جامع کا ظہور ہے اورتمام حقائق کو شامل ہے۔ اس جہت سے تمام عالم اوراس کی ہر جزئی کومقام احدیت پر اسم اعظم سمجھا جاسکتا ہے **(و الأسماءُ کُلُّها فی الکُلِّ وَ کذا الآیات)**

یہ جو کچھ بیان ہوا اس کی بنا پر فیلسوف عظیم الشان صدر الملت والدین قدس سرہ کا اعتراض جو انہوں نے بیضاوی جیسے لوگوں پر کیا ہے،صحیح ہے، کیوں ان لوگوں کومسلک عرفان سے کوئی ذوق نہ تھا،لیکن اہل عرفان کے مسلک کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے اور چونکہ اس مقام پر بیضاوی کا کلام اور فیلسوف مذکور کا کلام طولانی ہے، اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا جو چاہے فیلسوف مذکور کی تحریر فرمودہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

اور ''رب'' اگر اسمائے صفات اور ''مالک'' و ''صاحب'' اوران جیسے معنی میں ہےتو ''عالمین'' سے مراد جمیع ماسوائے اللہ ہو سکتے ہیں، چاہے عالم ملک کے موجودات ہوں یا موجودات مجردۂ غیبیہ ہوں اور اگر اسمائے افعال سے ہے اورشاید یہی ظاہر تر ہےتو عالمین سے مراد فقط عالم ملک ہوگا، کیونکہ رب، اس صورت میں مربی کے معنی میں قرار پائے گا اوراس معنی کے لئے تدریج ضروری ہے جب کہ عوالم مجردہ تدریج زمانی سے منزہ ہیں۔ اگر چہ راقم الحروف کے نزدیک ایک معنی میں روح، تدریج، عالم، دہر، میں متحقق ہے اورانہیں معنی میں ہم نے عوالم مجردہ میں بھی حدوث زمانی، بمعنی روح زمان و دہریت تدریج کو ثابت کیا ہے اورمسلک عرفانی میں بھی ہم حدوث زمانی کوتمام عوالم کے لئے ثابت مانتے ہیں،لیکن اس طرح نہیں کہ متکلمین اوراصحاب حدیث کی سمجھ میں آسکے۔

---

[1] و فی کل شی لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد
ہر شے میں ہے اس کی نشانی
کہتی ہے، نہیں ہے اس کا ثانی
کشف الاسرار ''یبدی'' ج۱،ص ۴۳۶، کچھ لوگوں کے نزدیک یہ شعر ابوالعتاھیہ کا ہے۔

ایک اور تنبیہ

معلوم ہو کہ ''حمد'' چونکہ فعل ''جمیل'' کے مقابل میں ہے اور آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد و ستائش اسم اعظم کے لے ثابت ہے جو اسم جامع ہے اور مقام ربوبیت عالمین اور مقام رحمت، رحمانیہ و رحیمیہ، و مالک یوم الدین، کا حامل ہے، لہٰذا ان اسمائے شریفہ یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک کو تحمید میں مناسب دخل ہونا چاہئے۔ ہم بعد میں قول خدا تعالیٰ: "مالك يوم الدين" کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر گفتگو کریں گے۔

اب ''تحمید'' کے ساتھ مقام ربوبیت عالمین کے تناسب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ یہ تناسب دو جہتیں رکھتا ہے۔

ایک جہت یہ ہے کہ چونکہ حمد کرنے والا خود عالمین میں سے، بلکہ خود ہی کبھی مستقل عالم قرار پاتا ہے، بلکہ اہل معرفت کی نظر میں موجودات عالم میں سے ہر موجود ایک مستقل عالم ہے، اس لئے وہ حمد کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو مقام ربوبیت کے دست تربیت سے، ضعف ونقص اور عدم کی ہیولانی وحشت وظلمت سے نکال کر عالم عالم انسانیت کی قوت وکمال اور طمانینت ونورانیت تک پہنچایا اور جسمی وعصری اور معدنی ونباتی اور حیوانی منزلوں سے آگے حرکات ذاتیہ وجوہریہ اور فطری وجبلی محبتوں سے گزارا اور منزل گاہ انسانیت پر جو موجودات کی سب سے اعلیٰ واشرف منزل ہے، پہنچایا اور اس کے بعد بھی تربیت کئے جارہا ہے کہ (آنچہ در وہم تو ناید آن شوم) ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہم میں بھی نہ آسکوں۔

پس عدم گردم عدم چون ارغنون
گویدم انا الیه راجعون، [1]
پھر عم بعد عدم ہونا ہے مثل ارغنوں
آتی ہے مجھ کو صدا انا الیه راجعون

---

[1] بار دیگر از ملک قربان شوم
آنچہ اندر وہم ناید آن شوم،
مولویؒ
وہ دن آئے پھر کہ ملک کی بزم میں راہ پھر سے میں پاسکوں
ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہی میں بھی نہ آسکوں

دوسری جہت یہ ہے کہ چونکہ عالم ملک، یعنی فلکیات، عنصریات، جوہریات اوران کے عرضیات کے نظام کی تربیت، انسان کامل کے وجود کا مقدمہ ہے اورانسان کامل ہی حقیقت میں عالم تحقق کی روح کا عطراور عالمیان کی آخری غرض وغایت ہے اوراسی لئے وہ آخری مولود ہے اور چونکہ عالم ملک اپنی ذاتی جوہری حرکت کے ساتھ متحرک ہے اور یہ حرکت ذاتی واستکمالی ہے، جہاں منتہی ہوجائے وہی غایت خلقت اورنہایت سیر ہے اورجب ہم کلی طور پر جسم کل، طبع کل، نبات کل، حیوان کل اور انسان کل پر نظر ڈالتے ہیں تو انسان ہی وہ آخری مولودنظر آتا ہے جو عالم کی ذاتی و جوہری حرکات کے بعد وجود میں آیاہے اوروہی منتہی قرار پاتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ کا دست تربیت تمام دارتحقق میں انسان کی تربیت میں لگاہوا ہے (والانسان ھو الاول والاخر)۔

یہ جو کچھ ذکر ہوا، افعال جزئیہ کے بارے میں ہے اورمراتب وجود کے اعتبار سے ہے ورنہ فعل مطلق کے مطابق حق تعالیٰ کے کسی بھی فعل کی غایت خوداسی کی ذات مقدس ہے اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ یہ بات اپنے محل پر برہان سے ثابت ہے۔ افعال جزئیہ پر بھی جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو غایت خلقت انسان عالم غیب مطلق ہے نظر آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے:

يَابنَ آدَمَ، خَلَقتُ الاَشياءَ لِاَجلِكَ وخَلَقتُكَ لِاَجلی.[1]

اے فرزند آدم! میں نے ہر چیز کو تیرے لئے اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

اورقرآن شریف میں حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے:

وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ.[2]

اور میں نے تم کو اپنی رسالت کے واسطے چن لیا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ.[3]

---

[1] علم اليقين، ج۱، ص ۳۸۱، شرح الاسماء الحسنى : ۱۳۹، رسائل الكركی :جلد۳ ص ۹۶۲ وفيه "يا انسان..."، وفی مصابيح القلوب :۴۵۸ "خلقت جميع العالم لكم وخلقتكم لی"، المواعظ العددية :۴۲۰ وفيه "خلقت الاشياء كلّها لاجلك وخلقتك لاجلی وانت تفرّ منّی"، عبدی .... الجواهر السنية فی الاحاديث القدسية (كليات حديث قدسی) ص۷۱۰، باب ما لم يتصل بامام معين منهم عليهم السلام

[2] سورۂ طٰہٰ :۴۱

[3] سورۂ طٰہٰ :۱۳

اور میں نے تم کو (پیغمبری کے واسطے) منتخب کیا ہے۔

لہٰذا انسان مخلوق (لاجل اللہ) ہے اور اسی کی مقدس ذات کے لئے بنایا گیا ہے اور موجودات کے درمیان وہی مصطفی اور مختار (منتخب اور چنا ہوا) ہے۔ اس کی سیر انتہا باب اللہ، فنافی ذات اللہ اور عکوف فی فناء اللہ ہے۔ اس کی باز گشت الی اللہ، من اللہ، فی اللہ، اور باللہ (اللہ کی طرف، اللہ سے، اللہ میں اور اللہ کے وسیلہ سے ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ.[1]

یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔

دوسرے موجودات کی بازگشت انسان کے واسطہ سے اللہ کی طرف ہے، بلکہ ان کا مرجع و معاد انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ زیارت جامعہ میں مقامات ولایت کا کچھ تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُم.[2]

مخلوقات کی بازگشت آپ کی طرف اور ان کا محاسبہ آپ پر ہے۔

اور فرماتے ہیں:

بِكُمْ يَفْتَحُ اللهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ.[3]

خدا نے آپ کے سبب سے خلقت کا آغاز کیا اور آپ ہی پر ختم کرے گا۔

اور یہ جو آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ.[4]

بے شک ان کو ہماری طرف لوٹا کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

اور زیارت جامعہ میں امامؑ فرماتے ہیں:

وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُم.

لوگوں کی واپسی آپؑ کی طرف اور ان کا حساب آپ کو لینا ہے۔

---

[1] سورہ غاشیہ: ۲۵

[2] زیارت جامعہ کبیر از مفاتیح الجنان

[3] عیون اخبار الرضا، ج۲، ص ۲۷۲، زیارت جامعہ کبیرہ

[4] سورہ غاشیہ: ۲۵،۲۶

یہ اسرار توحید میں سے ایک راز ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کامل کی طرف رجوع، اللہ ہی کی طرف رجوع ہے، کیوں انسان کامل فانی مطلق ببقاء اللہ ہوتا ہے۔ وہ خود اپنا کوئی تعین، انیت اور انانیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ خود اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور خود اسم اعظم ہے۔ چنانچہ اس کی طرف قرآن واحادیث میں بہت اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن شریف توحید کے اس قدر لطائف وحقائق اور سرائر و دقائق (نکات، سچائیوں، رموز اور باریکیوں) کا جامع ہے کہ اہل معرفت کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور یہ اس نوارنی آسمانی صحیفہ کا ایک عظیم اعجاز ہے۔ نہ صرف حسن ترکیب، لطف بیان، غایت فصاحت، نہایت بلاغت، کیفیت دعوت، اخبار غیب، احکام احکام، اتقان تنظیم عائلہ بشری اوران جیسے بے شمار حقائق کے اعتبار سے، جن میں سے ہر ایک مستقل اعجاز ہے جو طاقت بشری سے بالا تر اور خارق عادت ہے۔، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن جو اپنی فصاحت کے لئے مشہور ہوا اور تمام معجزار کے درمیان اس اعجاز نے آفاقی شہرت حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اول کے اہل عرب کو فصاحت میں تخصص حاصل تھا اور وہ اعجاز کے اسی رخ کو سمجھ سکے، لیکن اعجاز قرآن کی چونکہ اس سے زیادہ اہم جہتیں ہیں، جو اس میں موجود ہیں اور ان کا اعجازی رخ بالا تر ہے اور ان کے ادراک کے لئے زیادہ بلند علمی وعقلی سطح کی ضرورت تھی۔ لہذا ان کا ادراک اس زمانے کے اہل عرب نہ کر سکے اور اب بھی وہ لوگ جن کی علمی وفکری سطح اسی زمانے کے اہل عرب کی علمی وفکری سطح کے برابر ہے، وہ سوائے ترکیبات لفظیہ اور محسنات بدیعیہ و بیانیہ کے اس لطیفہ الٰہیہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو معارف کے اسرار و وقائق سے آشنا ہیں اور توحید وتجرید کے باریک نکتوں کو سمجھتے ہیں، ان کا سطح نظر اس کتاب الٰہی کے بارے میں اور ان کا قبلہ امید اس وحی سماوی کے متعلق وہی معارف ہیں۔ وہ دوسری جہتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے اور جو شخص بھی عرفان قرآن اور ان عرفائے اسلام کی طرف نظر کرے جنہوں نے قرآن سے معارف حاصل کئے ہیں اور ان کے اور تمام مذاہب کے علماء اوران کی تصنیفات و معارف کے درمیان موازنہ کرے تو معارف اسلام وقرآن کی وہ عظمت سمجھ میں آئے گی جو دین و دیانت کی اصل بنیاد اور بعثت رسل اور ارسال کتب کی آخری غرض و غایت ہے اور اس بات کی تصدیق کہ یہ کتاب وحی الٰہی ہے اور یہ معارف، معارف الٰہیہ ہیں اس کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگی۔

ایمانی بیداری

معلوم ہو کہ عالمین کے لئے حق تعالیٰ کی ربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

ایک ربوبیت عامہ جس میں تمام موجودات عالم شریک ہیں اور ربوبیت عامہ وہ تکوینی تربیتیں ہیں جو ہر موجود کو

حد نقص سے نکال کر ربوبیت کے زیر تصرف لاتی اور اس کے لائق کمال تک پہنچاتی ہیں۔جس کے بعد اس کی تمام طبیعی و جوہری ترقیاں اور ذاتی وعرضی حرکات اور تبدیلیاں ربوبیت کے تصرفات کے تحت ہوتی ہے۔

وبالجملہ، مادۃ المواد اور ہیولائے اولی سے لے کر منزل حیوانیت اور جسمانی قوتوں اور روحانی وحیوانی قوتوں کے حصول تک، تربیت تکوینی (کا نام ربوبیت عامہ ہے جس کے بعد) ہر قوت گواہی دیتی ہے کہ (اللہ جل جلالہ ربی)۔ ربوبیت کا دوسرا مرتبہ (ربوبیت تشریعی) ہے جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ تربیت طریق نجات کی ہدایت، سعادت و انسانیت کی طرف راہنمائی اور منافیات سے بچانے کا نام ہے۔جس کا اظہار انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے فرمایا ہے اور اگر کوئی اپنے اختیار سے خود کو رب العالمین کے زیر تربیت و تصرف لے آئے اور اس طرح تربیت حاصل کر لے کہ اس کے اعضاء اور ظاہری و باطنی قوتوں کے تصرفات نفسانی نہ ہوں۔ بلکہ تصرفات الٰہیہ وربوبیہ ہو جائیں تو کمال انسانیت کے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جو نوع انسانی کے ساتھ مختص ہے۔

انسان جب تک حیوانیت کی منزل میں ہوتا ہے اس وقت تک تمام حیوانوں کے ساتھ ہم قدم رہتا ہے اور اس منزل سعادت کی طرف جاتا ہے جو رب العالمین کا صراط المستقیم ہے۔

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ.[1]

اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔

اور ایک راستہ منزل شقاوت کی طرف جاتا ہے جو شیطان کا ٹیڑھا راستہ ہے۔ اگر اپنی مملکت کے اعضاء اور قوتوں کو رب العالمین کے تصرف میں دے دیا تو اس کا تربیت یافتہ ہو جائے گا۔اس وقت لسان غیبی، جو ظل قلبی (دل کی ترجمان) ہے کہہ سکتی ہے: "اللہ جل جلا لہ ربی" عالم قبر کے ملائکہ کے سوال "من ربك؟" کے جواب میں اور چونکہ ایسے شخص نے لازمی طور پر اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقتدائے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور عمل بہ کتاب الٰہی کیا ہوتا ہے تو اس کی زبان گویا ہوتی ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی،وعلیؑ واولادہ المعصومین ائمتی،والقرآن کتابی"[2] اور اگر دل کو الٰہی اور ربوبی نہیں بنایا ہوگا اور نقش (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی ولی اللہ،) لوح دل پر نقش اور باطن نفس کی صورت نہیں بنا ہوگا اور قرآن شریف پر عمل اور اس پر تفکر، تذکر اور تدبر کے ذریعہ، قرآن اس کی طرف

---

[1] سورۂ ہود:۵۶

[2] یہ جملہ اشارہ روایت کی طرف جس میں مردے کو چند چیزوں کی تلقین کی جاتی ہے۔

منسوب اوراس کوقرآن سے معنوی و روحانی ربط نہ پیدا ہوا ہوگا تو جاں کنی، مرض الموت کی سختیوں اورخود موت میں جو ایک عظیم مصیبت ہے،تمام معارف اس کے دل سے محو ہو جائیں گے۔

عزیزم! انسان ایک ٹائیفائڈ کے مرض اور دماغی قوتوں کی کمزوری سے تمام معلومات کو بھول جاتا ہے سوائے ان چیزوں کے جو شدید تذکر اورانس کی وجہ سے اس کی فطرت ثانیہ کا ایک حصہ بن گئی ہوں اورایک بڑا حادثہ اورکوئی خوفناک واقعہ درپیش ہو جائے توانسان اپنے بہت سے امور سے غافل ہو جاتا ہے اوراس کی معلومات پرنسیان کی لکیر کھینچ جاتی ہے تو موت کی ہولنا کیوں،شدتوں اورسکرات میں کیا حال ہوگا؟ اوراگر گوش دل بند ہوں گے اوردل سننے کی قوت نہ رکھتا ہوگا تو موت کے وقت اورموت کے بعد عقائد کی تلقین سے اس کو کیا نتیجہ حاصل ہوگا؟ تلقین ان کے لئے مفید ہے جن کے دل عقائد حقہ کو جانتے ہیں اوران کے دل کے کان کھلے ہوئے ہیں اوران سکرات وشداید میں کچھ غفلت پیدا ہو گئی ہو تو یہ (عقائد حقہ سے واقفیت اورگوش دل کا کھلا ہونا) وسیلہ بن جائے گا کہ ملائکہ اللہ (اس وسیلہ سے) اس کے کانوں تک پہنچا ئیں،لیکن اگرانسان بہرا ہو اورعالم برزخ وقبر میں کام آنے والے کان نہ رکھتا ہوتو وہ ہرگز تلقین کونہیں سنتا اوراس کے حال پرتلقین کا کوئی اثرنہیں ہوتا۔احادیث شریفہ میں مذکورہ باتوں میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾......

حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے بطورکلی دومقام اورمراتب ہیں:

ایک مقام اسماء وصفات ذاتیہ کہ جوحضرت واحدیت میں ثابت ہے۔جیسے عالم ذاتی جوتجلیات وشئون ذاتیہ میں ہے اورقدرت وارادۂ ذاتیہ اوردوسرے شئون ذاتیہ۔

دوسرا مقام اسماء وصفات فعلیہ ہے جو (فیض مقدس) کے ساتھ تجلی سے حق کے لئے ثابت ہے۔چونکہ علم فعلی اشراقیین کے نزدیک ثابت ہے اورعلم تفصیلی کو بھی اسی پرمعلق سمجھتے ہیں اور جناب افضل الحکماء خواجہ نصیرالدین طوسی (نضر اللہ وجہہ) نے انہیں کے مسلک پر برہان قائم کیا ہے اور اس معنی میں کہ (علم تفصیلی) کی میزان (علم فعلی) ہے،اشراقیین کی پیروی کی ہے،[1]

اور یہ بات اگرچہ خلاف تحقیق ہے، بلکہ علم تفصیلی مرتبہ ذات میں ثابت ہے اورعلم ذاتی کا کشف اوراسکی تفصیلی علم فعلی سے بالاتر اوربیشتر ہے۔جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات برہان سے ثابت ومحقق ہے،لیکن اصل مطلب کہ نظام و

---

[1] مصارالمصارع،خواجہ نصیرالدین طوسی،تصحیح معزی،ص ۱۴۱

جو حق تعالیٰ کا علم فعلی تفصیلی ہے۔ سنت برہان ومشرب عرفان دونوں میں ثابت ومحقق ہے، اگرچہ اعلیٰ عرفانی مسلک اور زیادہ دشیریں عرفانی ذوق کے لئے ان طریقوں کے علاوہ بھی ایک طریقہ ہے۔

مذہب عاشق زمذہبھا جدا است

وبالجملہ، رحمت (رحمانیہ ورحیمیہ) کے دومرتبے اور دو تجلیاں ہیں۔

ایک جلوہ گاہ ذات میں واحدیت کے حضور، فیض اقدس کی تجلی اور دوسرے اعیان وجودیہ کی جلوہ گاہ میں فیض مقدس کی تجلی اور سورہ مبارکہ میں "رحمٰن ورحیم" اگر صفات ذاتیہ سے ہوں، جیسا کہ ظاہر تر ہے، تو آیہ شریفہ "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" میں ان دونوں صفتوں کو اسم کا تابع، صفت، سمجھا جاسکتا ہے تاکہ صفات فعلیہ میں شمار کیا جاسکے۔ اس بنا پر کسی تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کہا جاسکے کہ تاکید ومبالغہ کے لئے ہے۔ اس احتمال سے "اَلۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰہِ" (علم تو بس خدا ہی کو ہے)[1] آیات شریفہ کے معنی یہ ہو جائیں گے "بمشیتہ الرحمانیۃ والرحیمیۃ الحمد للہ لذاتہ الرحمانی والرحیمیۃ" اور جس طرح مقام، مشیت، جلوہ ذات مقدس ہے، مقام رحمانیت ورحیمیت، جو مقام مشیت کے تعینات میں سے ہے، جلوہ رحمانیت ورحیمیت ذاتیہ ہے اور بھی احتمالات ہیں جنہیں ہم نے ترک کر دیا، کیونکہ جس احتمال کا ذکر کیا وہ زیادہ ظاہر تھا۔

قولہ تعالیٰ: مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝۳

بہت سے قاریوں نے، ملک، کی میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ قرائت کی ہے اور ان دونوں قرائتوں میں سے ہر ایک کے لئے ادبی ترجیحات کا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ بعض علماء نے "مالک" پر، ملک کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے رسالے لکھے ہیں، لیکن جو باتیں طرفین نے کہی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن سے اطمینان پیدا ہو سکے۔

جو بات راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ "مالک" راجح بلکہ متعین ہے، کیونکہ یہ سورہ مبارکہ اور سورہ توحید دوسرے سوروں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ ان سوروں کو چونکہ لوگ نماز فرائض ونوافل میں پڑھتے ہیں اور ہر زمانے میں مسلمانوں کی سینکڑوں ملین کی جمعیتیں سینکڑوں ملین کی جمعیتوں سے سنتی آئی ہیں اور انہوں نے سینکڑوں ملین سابقین سے یوں ہی سنا ہے۔ یہ دوسرے جس طرح پڑھتے ہیں، ایک حرف کی کمی زیادتی یا تقدم وتاخر کے بغیر اسی طرح ائمہ ہدیٰ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس کے باوجود کہ اکثر قاریوں نے "مَلِكِ" پڑھا ہے اور کثیر علماء نے "ملک" کو ترجیح دی ہے۔ اس کے باوجود ان تمام باتوں نے اس ثابت، بدیہی، متواتر اور قطعی امر کو ذرا بھی ضرر نہیں

---

[1] سورۂ ملک:۲۶

پہنچایا اورکسی نے ان (قاریین اورعلماء) کی متابعت نہیں کی اوراس کے باوجود کہ علماء قراء میں سے ہرایک کی پیروی کو جائز سمجھتے ہیں، کسی ایک نے بھی،سوائے شاذ و نادر کے جس کا قول قابل اعتنا ءنہیں ہے۔اس بداہت کے مقابل اپنی نمازوں میں ''ملک'' نہیں پڑھا اوراگرکسی نے ملک پڑھا توبربنائے احتیاط پڑھا ہے اورساتھ ہی ''مالک'' بھی پڑھا ہے۔چنانچہ عوالم نقلیہ میں ہمارے شیخ علامہ حاج شیخ عبدالکریم حائر یزدی،قدس سرہ، اپنے معاصر علمائے اعلام میں سے ایک کی خواہش پر''ملک'' بھی کہتے تھے،لیکن یہ احتیاط بہت کمزور ہے۔بلکہ راقم الحروف کے عقیدہ میں مقطوع الخلاف ہے،یعنی ملک نہ پڑھا جانا قطعی ہے)۔

یہ جو بیان ہوا،اس سے اس مطلب کا ضعف معلوم ہوگیا جوکہا گیا ہے کہ خط کوفی میں''ملک''اور''مالک'' باہم مشتبہ ہو گئے، کیونکہ یہ دعویٰ ان سوروں کے لئے تو شاید کیا جاسکے جو کثرت سے زبانوں پر متداول نہیں ہیں۔وہ بھی بہ اشکال،لیکن ان جیسے سوروں کے بارے میں جوتسامع اورقرائت سے ثابت ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے، بہت بے مغز اور بے اعتبار بات ہے۔

یہ کلام جوذکر ہوا(کفواً) میں بھی جاری ہے، کیونکہ''واؤ'' مفتوحہ اورفائے مضمومہ کے ساتھ قرائت، حالانکہ یہ صرف عاصم (قاریوں میں سے ایک قاری) کی قرائت ہے،اس کے باوجود بھی تسامع سے بدایۃً ثابت ہے اور دوسری قرائتیں اس بداہت سے معارض بھی نہیں۔اگرچہ بعض لوگ اپنے خیال میں احتیاط کرتے ہیں اورقراء کی اکثریت کے مطابق، جوضم، فاء،اور،ہمزہ، ہے،قرائت کرتے ہیں،لیکن یہ احتیاط بے جا ہے۔

اگرہم ان روایات کے مطابق قرائت کریں،جن میں لوگوں کی قرائت کے مطابق قرائت کرنے کا حکم [1] ہے تو مناقشہ پیدا ہوتا ہے اورمناقشہ کا محل بھی ہے،لیکن ظن یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایتوں کی مراد یہ ہو کہ جس طرح لوگوں کے درمیان متداول ہے اسی طرح قرائت کرو۔نہ یہ کہ اختیار ہے کہ قراءات سبع میں سے مثلاً کسی کے مطابق قرائت کرو۔ اس صورت میں''ملک'' اورکفواً، کی قرائت اس طریقہ کے علاوہ جومسلمانوں کے درمیان مشہور اورقرآن میں مسطور ہے،غلط ہو جاتی ہے۔اور ہرصورت میں احتیاط کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ جس طور پرلوگوں کے درمیان متداول ہے اورزبانوں میں مشہور اورقرآن میں مسطور ہے۔اسی طور پرقرائت کریں کیونکہ اس طرح قرائت ہرمسلک کے مطابق

---

[1] ان روایتوں میں کچھ یہ ہیں:

قُلْتُ كَيْفَ يَقْرَأُهَا قَالَ كَمَا يَقْرَأُهَا النَّاس (الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ج۱،ص۹۱)

وَاقْرَؤُوا كَمَا تَعَلَّمْتُم ،(وسائل الشیعۃ/ج۶؛..... ص:۱۶۲)

صحیح ہے۔ واللہ العالم،[1]

حکیمانہ تحقیق

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی مالکیت اس طرح کی مالکیت نہیں ہے جیسی مالکیت بندوں کو اپنی مملوکات پر حاصل ہوتی ہے اور ویسی مالکیت بھی نہیں ہے جیسی سلاطین کی ملکیت اپنی مملکت پر ہوتی ہے، کیونکہ یہ مالکیتیں اضافی اور اعتباری ہیں اور حق کی نسبت و اضافت خلق سے ایسی نہیں ہے۔ اگر چہ علمائے فقہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے لئے اس طور کی ملکیت طولاً ثابت ہے اور وہ بھی ہمارے ملحوظ نظر اور بیان مذکور کے منافی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان کی مالکیت اپنے اعضاء و جوارح پر ہوتی ہے اور ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان مالکیت اپنی ظاہری و باطنی قوتوں پر ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ مالکیت، حق تعالیٰ کی مالکیت سے سابق میں مذکور تمام مالکیتوں کی بہ نسبت نزدیک تر ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی نفس کو اپنے ان افعال ذاتی پر حاصل ہوتی ہے جو نفس کی شان سے ہیں، جیسے ایجاد صور ذہنیہ جن کو کم کرنا اور پھیلانا ایک حد تک نفس کے ارادہ تحت ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی عوالم عقلیہ کی مالکیت اپنے ماسوا پر ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ ان عوالم میں اعدام و ایجاد کے ساتھ متصرف ہیں، کیونکہ تمام دار تحقق امکانی، جن کی پیشانی پر ذلت کا نشان ثبت ہے، حدود میں محدود اور قدر (مقدار) میں مقدر ہیں، چاہے ماہیت ہی کی حد تک ہوں اور جو حد میں محدود ہوتا ہے وہ اپنی محدودیت کے مطابق اپنے فعل کے ساتھ تباین عزلی رکھتا ہے، یعنی ایک وقت اس فعل کو انجام دے سکتا ہو اور دوسرے وقت اس کی انجام دہی سے معزول ہو جائے، اور حق تعالیٰ کی طرح احاطہ قیومیت نہیں رکھتا ہے۔ پس تمام اشیاء اپنی ذات کے مرتبہ کے مطابق اپنے افعال سے متبائن اور متقابل ہوتی ہیں۔ اسی جہت سے احاطہ ذاتیہ، قیومیہ، نہیں رکھتیں۔

لیکن حق تعالیٰ کی مالکیت جو اضافہ اشراقیہ اور احاطہ قیومیہ سے ہے، مالکیت ذاتیہ، حقیقیہ حقہ ہے جو اپنے موجودات میں سے کسی بھی موجود کے ساتھ ذات و صفات میں تباین عزلی کا کسی رخ سے شائبہ نہیں رکھتی اور اس ذات مقدس کی مالکیت تمام عوالم پر برابر ہے بغیر اس کے کہ موجودات میں سے کسی موجود کسی جہت سے بھی تفاوت ہو یا عوالم غیب و مجردات پر دوسرے عوالم کی بہ نسبت زیادہ محیط اور زیادہ نزدیک ہو، کیوں یہی، کمی و بیشی، محدودیت اور تباین عزلی کا سبب ہوتی ہے اور احتیاط و امکان کا لازمہ ہے۔

---

[1] اگر چہ قرائت کا جواز قراء کی قراءات میں سے کسی ایک کے مطابق علی الظاہر اجماعی ہے۔

تَعَالَى عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.[1]

چنانچہ ممکن ہے کہ قول خدائے تعالیٰ میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ [2]

ہم تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔

اور

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.[3]

اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط [4]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اور

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط [5]

وہ وہ ذات ہے آسمان بھی اسی کے لئے ہیں اور زمین بھی اسی کا ہے۔

اور

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.[6]

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

اور قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

---

[1] توحید المفضل / 179 / الشمس و اختلاف الفلاسفة في وضعها و شكلها و مقدارها ص:178

[2] سورۂ واقعہ:۸۵

[3] سورہ ق:۱۶

[4] سورۂ نور:۳۵

[5] سورۂ زخرف:۸۴

[6] سورہ بقرہ:۱۰۷

لَوْ دُلِّيتُمْ بِحَبْلٍ الَى الْاَرْضِيْنَ السُّفْلٰى لَهَبَطْتُمْ عَلَى اللهِ.[1]

اور کافی کی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول:

فَلا يَخْلُو مِنْهُ مَكانٌ، وَ لا يَشْتَغِلُ بِهِ مَكانٌ، وَ لا يَكُونُ الى مَكانٍ اَقْرَبُ مِنْهُ الى مَكانٍ.[2]

کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کوئی جگہ اس کا احاطہ نہیں کرتی اور وہ ایسی جگہ نہیں جو دوسری جگہ سے زیادہ نزدیک ہو۔

اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا قول:

وَ اعْلَمْ، اَنَّهُ اذا كانَ فِي السَّماءِ الدُّنْيا فَهُوَ كَما هُوَ عَلَى الْعَرْشِ؛ وَ الْاَشْياءُ كُلُّها لَهُ سَواءٌ عِلْماً وَ قُدْرَةً وَ مُلْكاً وَ احاطَةً.[3]

اور جان لو کہ جب وہ آسمان دنیا میں ہے تو ایسا ہی ہے جیسے عرش پر ہے تمام چیزیں اس کے علم، قدرت، مالکیت اور احاطہ میں برابر ہیں۔

اس کے باوجود کہ اس کی ذات مقدس کی مالکیت تمام اشیاء اور تمام عالم پر علی السواء، برابر، ہے اس کے ساتھ آیہ شریفہ میں ارشاد ہے: (مالک یوم الدین) یہ اختصاص ممکن ہے اس لئے ہو کہ (یوم الدین) یعنی یوم الجمع کا مالک، دوسرے ایام کا مالک بھی ہے، جو متفرق ہیں۔

وَ الْمُتَفَرِّقاتُ فِي النَّشْئَةِ الْمُلْكِيَّة مُجْتَمِعاتٌ فى النَّشْئَةِ الْمَلَكُوتِيَّة.[4]

عالم ملک کے متفرقات عالم ملکوت میں جمع ہوتے ہیں۔

اور یہ اختصاص اس لئے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی مالکیت و قاہریت کا ظہور (یوم الجمع) میں ہیں جو ممکنات کے باب الٰہی کی طرف رجوع اور موجودات کے فناء اللہ کی طرف صعود کا دن ہے۔

اس جمال کی، اس رسالہ کے مناسب تفصیل یہ ہے کہ جب تک نور وجود اور آفتاب حقیقت سیر تنزلی اور عالم غیب سے عالم شہود کی طرف نزول میں ہے، تب تک وہ احتجاب وعنییت کی طرف جا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہر

---

[1] تفسیر سورہ حمد (امام خمینیؒ) ۱۷۷ جلسہ پنجم ص:۱۷۳

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۷۰، کتاب التوحید، باب الحرکۃ والانتقال، حدیث ۳

[3] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۷۰، کتاب التوحید، باب الحرکۃ والانتقال، حدیث ۴

[4] تفسیر سورہ حمد (امام خمینیؒ) ۵۲، تحقیق حکمی ص:۵۰

تنزل میں ایک تعین ہے اور ہر تعین او رقید ایک حجاب ہے اور چونکہ انسان میں تمام تعینات و قیود جمع ہیں، اس لئے وہ سات ظلمت کے پردوں میں اور سات نور کے پردوں میں محجوب ہے۔ یہ پردے تاویل کے اعتبار سے سات زمینوں (ارضین سبع) اور سات آسمانوں (سمٰوات سبع) کے پردے ہیں اور شاید ''اسفل السافلین'' کی طرف پلٹنا بھی ہر قسم کے حجابات میں محجوب ہونا ہو۔ اس شمس وجود اور نور صرف کے افق تعینات میں محجوب ہونے کی تعبیر ''لیل'' اور ''لیلۃ القدر'' سے کی جا سکتی ہے اور جب تک انسان ان حجابوں میں ہے اس وقت تک جمال ازل اور نور اول کے مشاہدہ سے محجوب ہے اور جب پستی سے بلندی کی طرف سیر میں، تمام موجودات، عالم مادیات کی پست منزلوں سے، طبیعی حرکات کے ذریعہ جو ان کی جبلت میں فطرت الٰہی کی قوت جاذبہ کے نور سے (فیض اقدس) کی تقدیر کے مطابق، حضور علمی میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے اصلی وطن اور حقیقی وعدہ گاہ کی طرف پلٹتے ہیں۔ جیسا کہ آیات میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے تو نورانی اور ظلمات حجابوں سے دوبارہ باہر آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہریت جلوہ کرتی ہے اور حق، وحدت و قہاریت کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور اس جگہ جہاں آخر اول کی طرف رجوع کرتا ہے اور ظاہر باطن سے متصل ہوتا ہے اور ظاہر کی حکم رانی ساقط اور باطن کی حکومت جلوہ کرتی ہے، مالک علی الاطلاق کے حضور سے خطاب آتا ہے اور مخاطب ذات مقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' اور چونکہ کوئی جواب دینے والا نہیں ہے تو خود فرماتا ہے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ".[1]

اور یہ یوم مطلق جو افق تعینات کے حجاب سے آفتاب حقیقت کے نکلنے کا دن ہے، ایک معنی میں ''یوم دین'' ہے کیونکہ موجودات میں سے ہر موجود اپنے مناسب اسم کے زیر سایہ حق میں فانی ہو جاتا ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو اسی اسم سے ظہور کرے گا اور اس اسم کے توابع سے قریب ہو جائے گا "فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ" (ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ جہنم میں).[2]

اور انسان کامل اس عالم میں سلوک الی اللہ اور اس کی طرف ہجرت کے مطابق، ان حجابوں سے نکل آئے گا اور قیامت، ساعت اور یوم الدین کے احکام اس کے لئے ثابت ہو جائیں گے، حق اپنی مالکیت کے ساتھ اس معراج صلواتی میں اس کے قلب، پر ظہور کرے گا اور اس کی زبان بن جائے گا۔ یہ ہے ''یوم الدین'' کے ساتھ مالکیت کے اختصاص کے اسرار سے ایک راز!

---

[1] آج ملک کس کا ہے؟ اس خدائے یگانہ قہار کا ہے، (سورہ غافر، آیت ۱۶)

[2] سورہ شوریٰ: ۷

الہام عرشی

معلوم ہو کہ ''عرشی'' اور ''حملہ عرشی'' کے بارے میں اختلاف ہے اور اخبار شریفہ کے ظواہر میں بھی اختلاف ہے۔ اگر چہ باطن کے اعتبار سے اختلاف کا کوئی کام نہیں، کیونکہ نظر عرفانی اور طریق برہانی میں عرش کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک معنی جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے حضرت ''واحدیت'' ہے جو ''فیض اقدس'' کا مستویٰ (مقام تمکن) ہے اور اس کے حاملین چار اسم ہیں امہات اسماء میں سے، اول، آخر، ظاہر اور باطن،۔

دوسرے معنی جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے ''فیض مقدس'' ہے جو اسم اعظم کا مستویٰ ہے۔ اس کے حاملین، رحمان، رحیم، رب اور مالک، ہیں۔

اور تیسرے معنی جملہ ''ماسوی اللہ'' ہیں۔ اس کے حاملین، اسرافیل، جبرائیل، میکائیل اور عزرائیل، ہیں۔

چوتھے معنی ''جسم کل'' ہیں، جس کے حامل چار ملک ہیں جو ''ارباب انواع'' کی صورتیں ہیں اور کافی کی روایت میں ان کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے،[1]

عرش کا اطلاق کبھی ''علم'' پر بھی ہوا ہے کہ شاید علم سے مراد ''علم فعلی'' حق ہو جو مقام ولایت کبریٰ ہے۔ اس کے حاملین اولیائے کاملین میں سے چار نفر ہیں۔ سابقہ امتوں میں سے نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور چار نفر کاملین میں سے ہیں اس امت سے رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام۔

جب یہ مقدمہ جان لیا گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ سورۂ حمد میں اسم ''اللہ'' کے بعد جو ذات کی طرف اشارہ ہے، یہ چار اسم شریف یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک کے ذکر کو مختص کیا گیا ہے، ممکن ہے یہ اس لئے ہو کہ یہ چار اسم شریف باطن کے اعتبار سے حامل عرش، وحدانیت، ہیں اور انکے مظہر حق تعالیٰ کے چار ملائکہ مقربین ہیں جو عرش، تحقق، کے حامل ہیں۔ لہٰذا اسم مبارک ''رب'' میکائیل کا باطن ہے جو مظہریت رب کے ساتھ موکل ارزاق اور مربی دار وجود ہے اور اسم شریف، رحمٰن، اسرافیل کا باطن ہے جو منشی ارواح، نافخ صور اور باسط ارواح وصور ہے۔ چنانچہ بسط و جود یعنی وجود کا پھیلاؤ، بھی اسم ''رحمٰن'' سے ہے اور اسم شریف، رحیم، جبرائیل کا باطن ہے جو تعلیم و تکمیل موجودات پر موکل ہے اور اسم

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۳۱، ۱۳۲

شریف، مالک، عزرائیل، کا باطن ہے جو قبض ارواح وصور اور ظاہر کو باطن کی طرف پلٹانے پر موکل ہے۔ پس سورۂ شریفہ ''مالک یوم الدین'' تک، عرش وحدانیت اور عرش تحقق پر مشتمل ہے اور ان کے حاملین کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس ئے پورا دائرہ وجود اور تجلیات غیب وشہود، جن کی قرآن مجید ترجمانی کر رہا ہے سورہ مذکورہ کے اسی مقام ''مالک یوم الدین'' تک ہے۔ یہی معنی جمعاً ''بسم اللہ'' میں موجود ہیں جو اسم اعظم ہے اور ''ب'' میں بھی موجود ہیں جو مقام سببیت ہے اور حضرت علی علیہ السلام سر ولایت وسببیت ہیں۔ لہٰذا وہی نقطہ تحت الباء[1] یعنی ترجمان سر ولایت ہیں۔ تامل، وجہ تامل ایک اشکال ہے جو حدیث کے بارے میں ہے۔ واللہ العالم۔

تنبیہ عرفانی

''رب'' کو مقدم کرنے اور رحمٰن و رحیم، کو اس کے بعد ذکر کرنے اور ''مالک'' کو آخر میں بیان کرنے میں شاید نشئہ ملکیہ دنیاویہ سے فنائے کل تک یا مالک الملک کے محضر میں حاضری تک، سلوک انسانی کی کیفیت کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس سالک جب تک مبادی سیر میں ہے تب تک رب ''العالمین'' کی تدریجی تربیت کے تحت ہے، کیونکہ وہ خود بھی عالمیان میں شامل ہے۔ اور اس کا سلوک زمان و تدریج کے زیر تصرف ہے اور جب سلوک کے قدموں سے عالم طبیعت سے جدا ہو گیا تو اسمائے محیطہ کا مرتبہ عالم سے جن میں سوائیت (برابری) کا جنبہ غالب ہے۔ فقط تعلق ہی نہیں رکھے گا بلکہ اس کے قلب میں تجلی کرے گا اور چونکہ اسم شریف ''رحمٰن'' کو تمام اسمائے محیطہ کے درمیان ایک مزید اختصاص ہے، اس لئے اس کو ذکر کیا گیا اور چونکہ ''رحمٰن'' ظہور رحمت اور مرتبہ بسط مطلق ہے اس لئے ''رحیم'' پر مقدم ہوا جو افق بطون سے نزدیک تر ہے۔ پس سلوک عرفانی میں پہلے اسمائے ظاہرہ تجلی کرتے ہیں اس کے بعد اسمائے باطنہ اور چونکہ سالک کی سیر ''من الکثرۃ الی الوحدۃ'' کثرت سے وحدت کی طرف ہوتی ہے، یہاں تک کہ اسمائے باطنہ محضہ پر جن میں سے ایک اسم ''مالک'' ہے، منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا مالکیت کے ساتھ تجلی میں عالم غیب وشہادت کے کثرات فانی و مضمحل ہو جاتے ہیں اور فنائے کلی اور حضور مطلق حاصل ہوتا ہے اور جب کثرت کے حجابات سے چھٹکارا حاصل کر کے مقام ظہور وحدت وسلطنت الٰہیہ کو پا لیا اور مشاہدہ حضور تک رسائی ہو گئی تو مخاطبہ حضور یہ کرتا ہے اور کہتا ہے "ایاك نعبد".

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادیت کے آخری حجاب کے اٹھنے سے لے کر حجابات ظلمانی ونورانی کے اٹھنے اور

[1] الاسفار الاربعہ، ج ۷، ص ۳۲، اسرار الحکم، ص ۵۵۹

حضور مطلق کے حاصل ہونے تک اہل سیر کا پورا دائرہ سیر اس سورہ مبارکہ میں موجود ہے۔ یہ حضور مطلق سالک کی قیامت کبریٰ اور اس کا قیام ساعت ہے اور شاید آیہ شریفہ:

فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ [1]

جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں (موت سے) بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر (ہاں) جس کو خدا چاہے (وہ البتہ بچ جائے گا)۔

اس آیت میں ''مستثنیٰ'' سے مقصود اہل سلوک کی یہی نوع ہو جن کو نفخ صور کلی سے پہلے ہی صعق ومحو حاصل ہو چکا اور شاید قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَہَاتَیۡنِ'' [2] (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) اور اپنی دو انگلیوں یعنی انگشت شہادت اور اس کے برابر والی انگلی کو ملایا کے یہی معنی ہوں۔

تنبیہ ادبی

متداول تفسیریں جو ہم نے دیکھی ہیں یا ان سے جو کچھ نقل ہوا ہے ان میں ''دین'' کو جزا وحساب کے معنی میں قرار دیا گیا ہے اور کتب لغت میں بھی یہی معنی مذکور ہیں اور شعرائے عرب کے قول سے بھی یہ استشہاد ہوتا ہے، جیسے شاعر کا قول:

واعلم بانك ما تدين تدان، [3]

اور سہل بن ربیعہ کی طرف منسوب قول:

ولم یبق سوی العدوان دناھم کما دانو، [4]

اور کہا کہ ''دیان'' کے بھی جو اسمائے الٰہیہ میں ہے یہی معنی ہیں اور شاید، دین، سے مراد شریعت حقہ ہو اور

---

[1] سورۂ زمر: ۶۸

[2] الاشعثیات، ص ۲۱۲، باب مایوجب الصبر، بحار الانوار، ج ۳، ص ۳۰۹، کتاب العلم، حدیث ۲۷، از مجالس خمسہ

[3] جان لو کہ جیسا کرو گے ویسی جزا پاؤ گے۔

[4] سہل بن شیبان، جامع الشواہد، باب الفاء مع اللام، ص ۱۸۵

فلما اصبح الشر و امسیٰ وھو عریان

ولم یبق سو ی العدوان دناھم کما دانوا،

اور دشمنی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ہم نے اس کو ویسا ہی بدل دیا جیسے انہوں نے جزا دی تھی۔

چونکہ روز قیامت دین کے آثار ظاہر ہوں گے اور دین کے حقائق بے پردہ ہوکر سامنے آئیں گے اس لئے اس روز کو روز دین کہنا ہی چاہئے جس طرح آج روز "دنیا" ہے کیونکہ آثار دنیا کے ظاہر ہونے کے دن ہیں اور دین کی صورت ظاہر نہیں ہے اور یہ بات اللہ کے اس قول جیسی ہے جس میں فرماتا ہے: "وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللهِ" [1] (اللہ کے دنوں کو انہیں یاد دلاؤ)۔

اور یہ وہ ایام ہیں جن میں حق تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ اپنے قہر و سلطنت سے سلوک کرلے گا اور قیامت کا روز "یوم اللہ" بھی ہے اور "یوم الدین" بھی، کیونکہ وہ سلطنت الٰہیہ کے ظہور اور دین خدا کی حقیقت کے سامنے آنے کا دن ہے۔

قولہ تعالیٰ: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿۴﴾...

اے عزیز! جب بندہ سالک نے طریق معرفت میں تمام حمد و ستائش کو ذات مقدس حق سے مختص جان لیا اور وجود کے سکڑنے اور پھیلنے کو اسی سے سمجھ لیا اور توحید ذات و صفات نے اس کے قلب میں تجلی کی تو وہ ذات حق میں عبادت و استعانت کو منحصر قرار دے گا اور تمام دار تحقق کو طوعاً و کرہاً ذات مقدس کے سامنے خاضع و عاجز دیکھے گا اور اس کے سوا دار تحقق میں اسے کوئی صاحب قدرت نظر نہ آئے گا تا کہ اسکی طرف اعانت کی نسبت دے سکے اور یہ جو بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ حصر عبادت حقیقی ہے اور حصر استعانت حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ استعانت غیر حق سے بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بھی ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ [2]

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ [3]

صبر اور نماز سے مدد مانگو۔

اور بدیہی طور پر یہ معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام اور ان کے اصحاب اور مسلمین غیر حق سے اکثر مباح امور میں استعانت کیا کرتے تھے جیسے چوپائے، خادم، زوجہ، ساتھی اور مزدور وغیرہ سے۔ یہ کلام اہل ظاہر کے

[1] سورۂ ابراہیم: ۵

[2] سورۂ مائدہ: ۲

[3] سورہ بقرہ: ۴۵

اسلوب کلام کے مطابق ہے، لیکن جو شخص حق تعالیٰ کی توحید فعلی کی اطلاع رکھتا ہے اور نظام وجود فاعلیہ حق تعالیٰ کی صورت سمجھتا ہے اور "وَلَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُودِ اِلَّا اللہ"[1] کو برہان یا مشاہدہ سے دریافت کر چکا ہے وہ چشم بصیرت اور قلب نورانی کے ساتھ حصر استعانت کو بھی حصر حقیقی سمجھتا ہے اور دوسرے موجودات کی اعانت کو اعانت حق کی صورت جانتا ہے اور ان کے کہنے کی بنا پر، حمد و ستائش کے اللہ تعالیٰ سے اختصاص کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ دوسرے موجودات کے لئے اس مسلک کی بنا پر، تصرفات و اختیارات اور جمال و کمال ہے جس کی وجہ سے وہ لائق حمد و ستائش ہیں، بلکہ زندگی دنیا، موت دنیا، رزق دنیا اور خلق کرنا بھی حق اور خلق کے درمیان مشترک امور ہیں اور یہ امور اہل اللہ کی نظر میں شرک ہیں اور روایات میں ان امور کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی چیز کے یاد رہ جانے کے لئے انگشتری کو گردش دینا، شرک خفی میں محسوب کیا گیا ہے۔[2]

وبالجملہ، "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" الحمد للہ کے فروع میں سے ہے جو توحید حقیقی کی طرف اشارہ ہے اور جس کے قلب میں حقیقت توحید نے جلوہ نہیں کیا اس نے اپنے قلب کو مطلق شرک سے پاک نہیں کیا ہے۔ اس کا "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور وہ عبادت و استعانت کو حق کے لئے منحصر نہیں کر سکتا۔ توحید کا جلوہ قلب میں جس قدر ہوگا اسی قدر موجودات سے روگردان اور حق تعالیٰ کے عز و قدس سے مربوط ہوگا، یہاں تک کہ مشاہدہ کرے گا کہ اسم اللہ کے ساتھ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" واقع ہو رہا ہے اور "اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ"[3] کے بعض حقائق اس کے قلب میں تجلی کر رہے ہیں۔

تنبیہ اشراقی

اس رسالہ کے بیانات سے (غیبت سے خطاب کی طرف عدول) کا نکتہ معلوم ہو چکا ہے اور یہ اگرچہ کو د محسنات کلام اور امتیازات بلاغت میں سے ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلام میں آیا ہے اور حسن کلام کا سبب ہوتا ہے اور خود

---

[1] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) ص: ۱۵

[2] قَالَ اَبُو عَبْدِ اللہِ علیہ السلام: اِنَّ الشِّرْكَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیبِ النَّمْلِ وَ قَالَ: مِنْهُ تَحْوِیلُ الْخَاتَمِ لِیَذْكُرَ الْحَاجَةَ وَ شِبْهُ هٰذَا. (باب نوادر المعانی، حدیث ۱، بحار الانوار، ج ۶۹، ص ۹۶)

[3] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ امام خمینیؒ) 9 در اشارہ اجمالیہ بہ بعض اسرار سورہ حمد..... ص: 3

(التفات) ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، مخاطب کی اکتاہٹ کو دور کرتا ہے اوراس کی روح میں ایک نشاط تازہ پیدا کرتا ہے، لیکن نماز چونکہ حضور قدس میں پہنچنے کی معراج اور مقام انس کے حصول کا زینہ ہے۔لہٰذا اس سورہ میں اس روحانی ارتقاء اور عرفانی سفر کا دستور بتایا گیا ہے اور بندہ چونکہ سلوک الی اللہ کے آغاز میں عالم مادیت کے تاریک حجابات اور عالم غیب کے نورانی پردوں میں محجوب ومحبوس ہے اور سفر الی اللہ کا مطلب سلوک معنوی کے قدموں سے انہیں، دونوں طرح کے، پردوں سے باہر آنا ہے اورمہاجرت الی اللہ درحقیقت بیت نفس اور بیت خلق سے اللہ کی طرف واپسی، کثرات کا ترک غیریت کے غبار سے دوری، توحیدات ثلاثہ، کو حاصل کرنا، خلق سے غیبت اور محضر رب میں حاضری کا نام ہے اور جب آیہ شریفہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں کثرات کو مالکیت قاہریت کے نور کی درخشندگی کے تحت غائب دیکھا تو کثرت سے محو اور محضر حق میں حضور کی حالت پیدا ہو گی اور مخاطبہ حضور یہ اور مشاہدہ جمال وجلال کے ساتھ اپنی بندگی کو پیش کرے گا اوراپنی خدا خواہی وخدا بینی کو محفل قدس ومحفل انس تک پہنچا دے گا۔

اور شاید "اياك" کی ضمیر کے ساتھ اس مقصد کو ادا کرنے میں یہ نکتہ مضمر ہو کہ یہ ضمیر ذات کی طرف پلٹتی ہے، جس میں کثرات مضمحل اور فانی ہو جاتی ہیں۔لہٰذا سالک کے لیے ممکن ہے اس مقام میں توحید ذاتی کی حالت پیدا ہو اور کثرت اسماء وصفات سے بھی منصرف ہو جائے اور قلب کا رخ ذات کے حضور کثرات کے حجابات کے بغیر ہو جائے اور یہی وہ کمال توحید ہے جس کے بارے میں امام موحدین، سرحلقہ عارفین، پیشوائے عاشقان، سرسلسلہ مجذوبان ومحبوبان حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ واولادہ المعصومین فرماتے ہیں:

وَ كَمَالُ التَّوْحِيدِ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ۔[1]

کمال توحید اس سے صفات کی نفی ہے۔

کیونکہ صفت میں غیریت اور کثرت کا رخ پایا جاتا ہے اور کثرت کی طرف یہ توجہ، چاہے وہ کثرت اسماء ہو، اسرار توحید اور حقائق توحید سے بعید ہے۔اسی لئے خطائے آدم علیہ السلام کا راز کثرت اسماء ہی کی طرف توجہ ہے جو شجرۂ ممنوعہ کی روح ہے۔

تحقیق عرفانی

معلوم ہو کہ اہل ظاہر نے "نعبد" اور "نستعین" کو صیغہ متکلم مع الغیر (جمع متکلم) کے ساتھ ذکر کئے جانے میں

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص۱۹۱، کتاب التوحید، باب جوامع التوحید، حدیث ٦

جبکہ عبادت گزار واحد ہے (فرادیٰ نماز پڑھ رہا ہو، یا محض سورہ کی تلاوت کر رہا ہو) بہت سے نکات بیان کئے ہیں۔

ان میں ایک نکتہ یہ ہے کہ عبادت گزار کی نظر میں ایک حیلہ شرعیہ رہے، جس کے وسیلہ سے اس کی عبادت درگاہ حق تعالیٰ میں مقبول ہو جائے وہ حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ اپنی عبادت کو تمام مخلوقات کی عبادت کے ضمن میں، جن میں ان اولیائے کاملین کی عبادتیں بھی شامل ہیں جو یقیناً مقبول ہیں، بارگاہ قدس دوست گاہ رحمت میں پیش کرے تاکہ ان عبادتوں کے وسیلہ سے اس کی عبادت بھی ضمناً قبول ہو جائے، کیونکہ تبعض صفقہ (کچھ مال خریدنا اور کچھ چھوڑ دینا) کریم کی عادت نہیں ہوتی۔

ان میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اول امر میں نماز جماعت ہی سے ادا کی جاتی تھی اس لئے صیغہ جمع استعمال ہوا۔

ہم اذان و اقامت کا مجموعی راز بیان کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان کر چکے ہیں، جس سے ایک حد تک اس راز کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اذان سالک کی قوائے ملکیہ و ملکوتیہ کا اعلان ے کہ وہ محضر میں حاضر ہو رہا ہے اور اقامہ یہ اعلان ہے کہ وہ حاضر ہو گیا اور جب سالک نے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو محضر میں حاضر کر دیا اور قلب نے جو ان قوتوں کا پیشوا اور امام ہے ان کی امامت کے لئے قدم آگے بڑھایا "فَقَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَ الْمُؤْمِنُ وَحْدَهُ جَمَاعَةٌ"[1] (مومن اپنے مقام پر انتہا ایک جماعت ہے)۔

لہٰذا، نعبد، اور نستعین، اور اھدنا، جمع کے صیغے سب محضر قدس میں حاضر قوتوں کی اس جمعیت کے لئے ہے۔ اہل بیت عصمت و طہارت کی روایات اور ادعیہ ماثورہ جو عرفان و شہود کا سرچشمہ ہیں، اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ایک اور وجہ جو راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے یہ ہے کہ جب سالک نے "الحمد للہ" میں ملک و ملکوت میں ہر حمد و ثنا کرنے والے کی ہر حمد و ثنا کو ذات مقدس حق سے مقصود و مخصوص قرار دیا اور ائمہ برہان کے مدارک میں اور اہل عرفان کے قلوب میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ تمام دائرہ وجود (اپنے ملک و ملکوت اور قض و قضیض کے ساتھ) "بِمُلْكِهَا وَ مَلَكُوتِهَا وَ قَضِّهَا وَ قَضِيضِهَا"[2] حیات شعوری ادار کی حیوانی، بلکہ انسانی رکھتے ہیں اور شعور و ادراک کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور تمام موجودات بالخصوص نوع انسان کی فطرت میں کامل و جمیل علی الاطلاق کی بارگاہ میں خاکساری و عاجزی ثبت ہے اور ان کی پیشانی حق تعالیٰ کے آستانہ پر سجدہ ریز، جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ"[3]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۵، ص ۳۷۹، کتاب الصلاۃ، ابواب صلاۃ الجماعہ، باب ۴، حدیث ۲، ۵

[2] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) تحقیق عرفانی..... ص:۶۱

[3] سورۂ اسراء: ۴۴

کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اور دوسری آیات شریفہ اور روایات معصومین علیہم السلام جو اس الٰہی نکتہ پر مشتمل ہیں، اس مستحکم حکیمانہ برہان کی تائید کرتی ہیں۔ پس جب سالک الی اللہ نے استدلال برہانی سے یا ذوق ایمانی سے یا مشاہدہ عرفانی سے اس حقیقت کو دریافت کرلیا تو وہ جس مقام میں بھی ہے، ادراک کر لے گا تمام ذرات وجود اور ساکنان غیب وشہود، معبود مطلق کے عبادت گزار اور اپنے آشکار کرنے والے کے طلبگار ہیں اور اسی لئے صیغہ جمع کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ تمام موجودات اپنی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات مقدس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔

ایک تنبیہ، ایک نکتہ

معلوم ہو کہ ''ایاک نعبد'' کو ''ایاک نستعین'' پر مقدم کرنے کی توجیہ، حالانکہ قاعدے کے مطابق ''استعانت'' کو عبادت میں خود عبادت پر بھی مقدم ہونا چاہئے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبادت ''استعانت'' (مدد مانگنے) پر مقدم ہے۔ ''اعانت'' (مدد کرنا) پر نہیں اور مدد کبھی مدد مانگے جانے کے بغیر بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ دونوں ''استعانت'' و''عبادت'' ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لہٰذا تقدیم وتاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

كَمَا يُقَالُ: قَضَيْتَ حَقِّيْ فَأَحْسَنْتَ إِلَيَّ

جیسا کہ کہا جاتا ہے: تم نے میرا حق دیا تو مجھ پر احسان کیا۔

اور

اَحْسَنْتَ اِلَيَّ فَقَضَيْتَ حَقِّيْ [1]

مجھ پر احسان کیا کہ میرا حق ادا کردیا۔

نیز استعانت اس عبادت کے لئے نہیں ہے جو ہو رہی ہے، بلکہ اس عبادت کے لئے جو اس کے بعد نئے سرے سے ہوگی۔ یہ وجوہ کس قدر سرد ہیں، ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور شاید نکتہ یہ ہو کہ حق تعالیٰ سے استعانت کا حصر سلوک الی اللہ کے مقام کے اعتبار سے حصر عبادت سے مؤخر ہے۔ جیسا کہ واضح ہے کہ بہت سے لوگ عبادت کے سلسلے میں موحد ہیں یعنی عبادت کا حصر ذات حق کے لئے مانتے ہیں۔ مگر استعانت کے معاملہ میں مشرک ہیں، یعنی استعانت کا حصر ذات حق میں نہیں مانتے جیسا کہ ہم نے بعض مفسرین

---

[1] تفسیر سورہ حمد (مؤلفہ؛ امام خمینیؒ) تنبیہ ونکتہ..... ص: ۶۳

کے بارے میں نقل کیا جو کہتے ہیں کہ حصر اعانت حقیقی نہیں ہے۔ لہٰذا عبادت میں حصر بمعنی متعارف، موحدین کے اوائل مقدمات میں ہے اور حصر استعانت کا مطلب مطلقاً ترک غیر حق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ، استعانت، سے فقط عبادت میں استعانت مراد نہیں ہے، بلکہ مطلق امور میں استعانت مراد ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اسباب سے دوری، کثرات کا ترک اور اقبال تام علی اللہ (محضر الٰہی میں پوری طرح حاضری) پیدا ہوجائے۔ دوسرے لفظوں میں حصر عبادت کا مطلب حق خواہی وحق طلبی اورترک طلب غیر ہے اورحصر استعانت کا مطلب حق بینی اورترک رویت غیر مقامات عارفین اورمنازل سالکین میں ترک طلب غیر سے مؤخر ہے۔

ایک عرفانی فائدہ

اے بندۂ سالک! حق تعالیٰ کی ذات میں (عبادت و استعانت) کا حصر بھی موحدین کے مقامات اورسالکین کے مدارج کاملہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسا دعویٰ ہے جو توحید و تجرید کے منافی ہے، بلکہ عبادت، عابد، معبود، مستعین، مستعان اوراستعانت کو دیکھنا بھی منافی توحید ہے اورتوحید حقیقی میں، جو قلب سالک پر جلوہ کرتی ہے، یہ کثرات مستہلک اوران امور کی رویت مضمحل و فانی ہوجاتی ہے۔ ہاں! وہ لوگ جو غیبی جذب و کشش سے ہوش میں آچکے ہیں اورمقام صحو حاصل کرچکے ہیں، ان کے لئے کثرت حجاب نہیں بنتی، کیونکہ لوگوں کے چند گروہ ہوتے ہیں:

ایک گروہ محجوبین کا ہے، جیسے ہم بے چارے مادیات کی ظلمتوں کے حجابوں میں پڑے ہوئے۔

ایک گروہ سالکین کا ہے، جو اللہ کی طرف سفر اور بارگاہ قدس کی طرف سفر کررہے ہیں۔

ایک گروہ واصلین کا ہے جو کثرت کے حجابات سے باہر آچکے ہیں اورمشغول حق ہیں اورخلق سے غافل و محجوب ہیں اوران کے صعق کلی، پوری طرح بے خودی و بے ہوشی، اورمحو مطلق حاصل ہوچکا ہے۔

ایک گروہ راجعین الی الخلق کا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن میں تکمیل، کمال تک پہنچانے، اور ہدایت، راہنمائی، کی جہت پائی جاتی ہے۔ جیسے انبیاء اوران کے اوصیاء علیہم السلام۔ یہ گروہ حالانکہ کثرت کے درمیان رہتا ہے اورارشاد و ہدایت خلق میں مشغول ہوتا ہے مگر کثرت ان کے لئے حجاب نہیں بنتی اوران کو مقام برزخیت (بندوں اورمعبود کے درمیان واسطہ) حاصل ہے۔

اس بنا پر "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں مذکورہ گروہوں کے حالات کے مطابق فرق ہوجاتا ہے۔

چنانچہ محجوبوں کی طرف سے صرف دعویٰ اورصورت ہے۔ اب اگر اپنے حجاب کی طرف متنبہ ہو جائیں اوراپنی کمی کو سمجھ لیں تو جس قدر اپنی کمی سے مطلع ہوتے جائیں گے اسی قدر ہماری عبادت میں نورانیت پیدا ہوتی جائے گی اورحق تعالیٰ کی عنایت حاصل ہوتی جائے گی۔

سالکین کا گروہ اپنے قدم سلوک کے بقدر حقیقت سے قریب ہے اورواصلین کا گروہ رویت حق کے تناسب سے حقیقت سے نزدیک ہے اوررویت کثرت کے تناسب سے صرف صورت اوراپنی عادت پر ہے اورکاملین کا گروہ صرف حقیقت (حقیقت ہی حقیقت) ہے۔لہٰذا وہ نہ حجاب حقی رکھتے ہیں نہ حجاب خلقی۔

ایمانی بیداری

اے عزیز! یہ بات یاد رکھو! کہ ہم جب تک عالم مادیت کے غلیظ و دبیز پردوں میں رہیں گے اورتعمیر دنیا اورلذائذ دنیا میں وقت کوصرف کرتے رہیں گے اورحق تعالیٰ اوراس کے ذکر وفکر سے غافل رہیں گے اس وقت تک ہماری تمام عبادات، تمام اذکار اورتمام قرائات بے حقیقت رہیں گی۔ نہ ہم الحمد للہ میں تمام حمد و ستائش کو ذات حق میں منحصر کرسکیں گے اورنہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں حقیقت کی راہ طے کرسکیں گے۔ بلکہ ان بے مغز دعوؤں سے محضر حق میں اورملائکہ مقربین و انبیائے مرسلین اور واولیائے معصومین علیہم السلام کی نظر میں رسوا اورشرمندہ ہوں گے۔جس شخص کی زبان حال وقال اہل دنیا کی مدح میں مصروف ہو وہ کیسے الحمد للہ کہے گا؟ اورجس کے قلب کا رخ مادی ہے اور اس میں بوئے الٰہیت نہیں ہے اوراس کا اعتماد اورتوکل مخلوقات پر ہے وہ کس زبان سے **(اياك نعبد و اياك نستعين)** کہے گا؟

لہٰذا اگر اس میدان کے مرد ہوتو کمر ہمت کس لو اورعظمت حق، ذلت وعجز وفقرمخلوق کے بارے میں شدید تذکر وتفکر کے ذریعے، ابتدا ہی میں ان حقائق و لطائف جو اس رسالہ میں مذکور ہونے میں اپنے دل تک پہنچا دو اوراپنے دل کو ذکرحق سے زندہ کرو تاکہ توحید کی خوشبو تمہارے شامہ قلب تک پہنچے اورغیبی مدد سے اہل معرفت کی نماز کی طرف کوئی راہ پیدا ہو اوراگر اس میدان کے مرد نہیں ہوتو کم سے کم اپنے نقص کو نظر میں رکھے رہو اوراپنی ذلت و عاجزی کی طرف توجہ کئے جاؤ اورندامت وشرمساری کے ساتھ قیام امر کرو اوربندگی کے دعوے سے ہاتھ اٹھا لو اوران آیات شریفہ کوجن کے حقائق ولطائف تم میں موجود نہیں ہیں یا کاملین کی زبان سے پڑھو اور یا صرف صورت قرآن ہی کو مطمح نظر رکھو تاکہ کم سے کم دعوائے باطل اورادعائے کاذب تو نہ کرو۔

فرع فقہی

بعض فقہاء نے "اياك نعبد" اور "اياك نستعين" جیسے صیغوں میں قصد انشاء کو مثلاً جائز نہیں سمجھا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ قرآنیت اور قرائت کے منافی ہے، کیونکہ قرائت کا مطلب دوسرے کے کلام کو نقل کرنا ہے، لیکن فقہاء کے اس کلام کی وجہ نظر آتی۔ اس لئے کہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے کلام سے مثلاً کسی کی مدح کرے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے یہ دوسروں کے کلام سے مدح کرے۔ مثلاً اگر حافظ کے شعر سے ہم کسی کی مدح کریں تو یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے مدح کی اور یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے حافظ کا شعر پڑھا تو اگر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" سے ہم تمام حمد و ستائش کو حق کے لئے انشاء کریں اور "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" سے حق کے لئے حصر عبادت کا انشاء کریں تو یہ بھی صادق آئے گا کہ ہم نے کلام خدا کے ذریعے حمد خدا کی اور یہ بھی کہ کلام خدا سے حصر عبادت کیا، بلکہ اگر کوئی شخص کلام کو معنی انشائی سے مجرد کرے تو اگر ہم یہ نہ کہیں کہ اس کی قرائت باطل ہے تو یہ احتیاط کے مخالف تو ہے ہی۔ ہاں! اگر کوئی اس کے معنی نہیں جانتا تو لازم نہیں ہے کہ یاد کرے، بلکہ قرائت کی صورت ہی "بمالها من المعنى" اس کے جو بھی معنی ہیں ان معنی کے ساتھ کافی ہے

روایات میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ قاری انشاء کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

فَاذا قالَ اى الْعَبْدُ فِي صَلاتِهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، يَقُولُ اللّٰه: ذَكَرَنِي عَبْدِى. وَاذا قال: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، يَقُولُ اللّٰه، حَمَدَنِى عَبْدِى... الخ [1]

اور جب تک عبد ہی کی طرف سے انشاء "تسمیہ" و "حمد" نہ ہو تب تک "ذکرنی" اور "حمدنی" بے معنی ہے اور احادیث معراج میں ارشاد ہے:

"اَلْآنَ وَصَلْتَ اِلَيَّ فَسَمِّ بِاسْمِى" [2]

اب تم پہنچ گئے میرا نام لئے جاؤ۔

اور وہ حالات جو "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں ائمہ علیہم السلام پر طاری ہو جاتے تھے اور بعض ائمہ علیہم السلام کا ان آیات کی

---

[1] بحار الانوار؛ ج 89: کتاب القرآن؛ باب 29، ص 226، ح 3؛ محجۃ البیضاء؛ ج 1، ص 338؛ عیون اخبار الرضا؛ ج 1، باب 28، ص 300، ح 59.

[2] علل الشرائع، ص ۳۱۵، از حدیث صلاۃ معراج

تکرار کرنا بتاتا ہے کہ وہ صرف قرائت نہیں فرماتے تھے، بلکہ انشاء فرماتے تھے اور یہ انشاء ایسا ہوتا تھا جیسے

اِسْمَاعِيلُ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔[1]

اور اہل اللہ کی نماز کے مراتب کے مختلف ہونے کے اہم اسباب میں سے ایک یہی قرائت کا اختلاف ہے۔جیسا کہ کچھ اشارہ اس کی طرف سابق میں ہو چکا اور اس کا تحقق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک قاری خود انشاء قرائت واذکار نہ کرے۔اس معنی پر بہت شواہد ہیں۔

وبالجملہ کلام الٰہی سے ان معنی کے انشاء کے جواز میں کوئی اشکال نہیں۔

ایک فائدہ

''عبادت'' کو اہل لغت انتہائے خضوع و اظہار ذلت کے معنی میں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ عبادت خضوع کا بلندترین مرتبہ ہے۔لہٰذا سوائے اس کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے جو وجود وکمال کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور نعمات واحسانات کا سب سے عظیم درجہ رکھتا ہو۔اسی لئے غیر حق کی عبادت شرک ہے اور شاید،عبادت، جو فارسی میں، پرستش، اور بندگی، کے معنی میں ہے،اپنی حقیقت میں ان معنی سے جو بیان کئے گئے ہیں،زیادہ کے لئے اخذ کیا گیا ہو، اور وہ خالق و مالک کے لئے خضوع سے عبارت ہے۔اس لئے یہ خضوع یا تو معبود کو ''الہٰ'' اور ''مالک'' قرار دینے کے ساتھ لازم ہے یا مثلاً لازم کی نظیر وشبیہ اور مظہر ہے،لیکن مطلق خضوع بغیر اس معنی پر اعتقاد اور جزم کے چاہے بطور تکلف ہو اور چاہے خضوع کی انتہا تک پہنچ جائے کفر و شرک کے اسباب میں سے نہیں ہے چاہے اس خضوع مطلق کی بعض انواع حرام ہوں۔مثلاً خضوع کے لئے پیشانی خاک پر رکھنا اور یہ اگر چہ عبادت و پرستش نہیں ہے مگر شرعاً ممنوع ہے،علی الظاہر۔

پس وہ احترامات جوار باب مذاہب اپنے مذہبی بزرگوں کے لئے اختیار کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ لوگ بندے ہیں جو ہر چیز میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، اصل وجود میں بھی اور کمال میں بھی، اور صالح و نیک بندے ہیں،مگر اپنے نفع وضرر اور موت وحیات کے خود مالک نہیں ہیں۔عبودت کی وجہ سے حق تعالیٰ کے مقرب بارگاہ اور موردعنایات ہوئے ہیں اور اس کے عطیات کوسیلہ ہیں کسی رخ سے بھی اس میں شرک وکفر کا شائبہ نہیں ہے اور خاصان خدا کا احترام

---

[1] یہ وہ جملہ ہے جو روایت کی بنا پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیل کے کفن پر لکھا کہ اخباری لوگ جو ظواہر روایات پر جمے ہوئے ہیں، بعینہ یونہی یہ جملہ اپنی میتوں کے کفن پر لکھتے ہیں۔(وسائل الشیعہ ،کتاب الطہارۃ،ابواب التکفین ، باب ۲۹،حدیث ۲)

خدا کا احترام ہے اور خاصان خدا کی محبت خدا کی محبت ہے [1]

تمام فرقوں کے درمیان، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور وہی گواہی کے لئے کافی ہے، وہ فرقہ جو اہل بیت وحی وعصمت اور خزینہ داران علم وحکمت کی برکت سے عائلہ بشری کے تمام فرقوں کے درمیان حق تعالیٰ کی توحید و تقدیس و تنزیہ کے بارے میں امتیاز رکھتا ہے وہ فرقہ شیعہ اثناعشری ہے، جس کی اصول عقائد کی کتابیں جیسے کتاب اصول کافی اور کتاب توحید شیخ صدوقؒ اوران کے ائمہ معصومین علیہم السلام کے خطبے اور دعائیں، جو توحید و تقدیس حق تعالیٰ کے بارے میں ان معادن وحی وتنزیل کی زبان سے ادا ہوئی ہیں، اس بات کی گواہ ہیں کہ ایسے علوم سے انسان کو کبھی سابقہ نہیں ہوا اور حق تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ ان کی طرح کسی نے نہیں بیان کی سوائے کتاب مقدس وحی الٰہی وقرآن مجید کے جو دست قدرت سے لکھا گیا ہے۔

اس کے باوجود کہ شیعوں نے ہر مکان اور ہر زمان میں ایسے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی پیروی کی جو معصوم ہیں اور ان کے بتائے ہوئے روشن ادلہ و براہین سے حق کو پہچان کر اس کی تنزیہ وتوحید کا اظہار کرتے رہے، بعض فرقے جن کی بے دینی ان کے عقائد اوران کی کتابوں سے واضح ہے، شیعوں پر طعن ولعن کا دروازہ کھولے رہتے ہیں اوراس باطنی عداوت کی بنا پر جو وہ شیعوں سے رکھتے ہیں، تابعین اہل بیت عصمت علیہم السلام کی طرف شرک اور کفر نسبت دیتے ہیں اور یہ نسبت اگر چہ بازار حکمت ومعرفت میں کوئی قیمت نہیں رکھتی، لیکن چونکہ اس کا مفسدہ یہ ہے کہ ناقص افراد اور جاہل و بے خبر عوام کو معادن علم سے دور اور جہالت و شقاوت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ لہٰذا نوع بشر کے حق میں یہ ایک بہت بڑا جرم ہے جس کی تلافی کسی طرح سے بھی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا عقلی و شرعی میزان کے مطابق ان قاصر، جاہل اور مجبور عوام کی غلطیوں اور گناہوں کی ذمہ داری ان بے انصاف جھوٹے پروپیگنڈہ بازوں، کی گردن پر آتی ہے جو اپنے موہوم اور خیالی چند روزہ فوائد کے لئے معارف واحکام الٰہیہ کی نشر واشاعت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور نوع بشر کی بدبختی وشقاوت کا سبب بنے ہوئے ہیں اور خاندان وحی وتنزیل کا دروازہ لوگوں پر بند کئے ہوئے ہیں (اللھم العنھم لعناً و بیلًا وعذبھم عذاباً الیماً)۔

قوله تعالیٰ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

اے عزیز! معلوم رہے کہ چونکہ سورہ شریفہ ''حمد'' میں ارباب معرفت وریاضت کے سلوک کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اور (ایاك نعبد، تک سلوك من الخلق الی الحق) کی ساری کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ سالک جب

---

[1] تفسیر سورۂ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) 29 بحث وتحصیل..... ص: 25

تجلیات افعالیہ سے تجلیات صفاتیہ تک اور تجلیات صفاتیہ سے تجلیات ذاتیہ تک بلند ہوتا ہے اور نورانی وظلمانی حجابات سے نکل کر مقام حضور ومشاہدہ تک پہنچتا ہے تو اس کو فنائے تام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور استہلاک کلی کا مقام مل جاتا ہے اور جب افق عبودیت کے غروب اور سلطنت مالکیت کے طلوع کے ساتھ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں سیر الی اللہ تمام ہو جاتی ہے تو اس سلوک کی انتہا پر تمکن واستقرار کی حالت پیدا ہوتی ہیں اور سالک ہوش اور خودی میں آتا ہے اور مقام صحو حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مقام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، لیکن توجہ بہ حق کی تبعیت میں، رجوع الی اللہ کی حالت کے برعکس جہاں حق کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ کی تابع ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر، سلوک الی اللہ کی حالت میں تو حجاب خلقی میں حق کو دیکھ رہا تھا اور "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں جو فنائے کلی کا مرتبہ حاصل ہوا ہے اس سے رجوع کے بعد نور حق میں خلق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی لئے کہتا ہے "اياك نعبد" ضمیر "ایا" اور "کاف" خطاب کو اپنی ذات اور اپنی عبادت پر مقدم کر کے اور چونکہ اس حال کے لئے ممکن ہے، ثابت نہ ہو اور اس مقام میں لغزش کا بھی امکان ہے، لہٰذا اپنے ثبات و لزوم کو حق سے یہ کہہ کر طلب کرتا ہے "اهدنا" ای الزمنا جیسا کہ تفسیر کی گئی ہے۔

اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ مقام جس کا ذکر ہوا اور یہ تفسیر جو بیان ہوئی کامل اہل معرفت کے لئے ہے جن کا مقام اول یہ ہے کہ سیر الی اللہ سے رجوع کے مقام پر حق تعالیٰ خلق سے ان کا حجاب ہو جاتا ہے اور ان کا مقام کمال برزخیت کبریٰ کی حالت ہے، جہاں نہ خلق حق کے لئے حجاب ہوتی ہے، جیسے ہم محجوبوں کے لئے ہوتی ہے اور نہ حق خلق کے لئے حجاب ہوتا ہے جیسے واصلان مشتاق اور فانیان مجذوب کے لئے۔

پس ان کامل اہل معرفت کا، صراط مستقیم، اس حالت برزخیت سے عبارت ہے جو نشاتین کے درمیان واسطہ ہے اور وہی صراط حق ہے۔ اس بنا پر "الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے مراد یہی لوگ ہیں جن کے لئے "فیض اقدس" کی تجلی سے حق تعالیٰ نے استعداد مقدر کی ہے اور فنائے کلی کے بعد ان کو اپنی مملکت میں واپس بھیجا ہے اور "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" اس تفسیر کی بنا پر، وہ لوگ ہیں جو وصول الی الحق سے پہلے محجوب ہوں اور "الضَّآلِّيْنَ" وہ لوگ ہیں جو حضور میں فانی ہوں۔

رہے وہ لوگ جو غیر کامل معرفت رکھتے ہیں۔ وہ اگر وارد سلوک ہی نہیں ہوئے تو یہ امور ان کے بارے میں صحیح نہیں ہیں اور ان کا، صراط، صراط ظاہر شریعت ہے۔ اسی بنا پر، صراط مستقیم، کی تفسیر، دین اور، اسلام، اور ان جیسے الفاظ سے کی گئی ہے اور اگر وہ اہل سلوک سے ہیں تو، ہدایت، سے مراد راہنمائی اور، صراط مستقیم، سے مراد وصول الی اللہ کا نزدیک تر راستہ ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا راستہ، جیسا کہ رسول، ائمہ ہدیٰ اور امیر المومنین علیہم السلام سے تفسیر وارد ہوئی ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط مستقیم، سیدھی لکیر، کھینچی

اوراس کے ادھر اُدھر بھی لکیریں کھینچیں اورفرمایا: یہ درمیانی خط مستقیم میرا ہے۔[1]

اور شاید ''امت وسط'' جس کا خدا وند عالم نے ذکر فرمایا ہے: "جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا"[2] (تم کو ہم نے درمیانی امت قرار دیا) وسطیت مطلق اور تمام معانی میں ہے جن میں روحانی معارف وکمالات کی وسطیت بھی شامل ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام ہے۔لہٰذا یہ مقام اللہ کے اولیائے کاملین کے ساتھ مختص ہے۔اسی لئے روایت میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت سے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یزید بن معاویہ عجلی سے فرمایا: ہم ہیں امت وسط،اورہم ہیں خلق پر اللہ کے گواہ۔[3]

دوسری روایت میں فرماتے ہیں: ہماری طرف رجوع کرتا ہے غالی (حد سے بڑھ جانے والا) اورہم سے ملحق ہوتا ہے مقصر (حد سے پیچھے رہ جانے والا)،[4]

اوراس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو بیان ہو چکا۔

تنبیہ اشراقی اوراشراق عرفانی

اے طالب حق وحقیقت! معلوم رہے کہ حق تعالیٰ نے چونکہ نظام وجود اور مظاہر غیب وشہود کی تخلیق،اسماء و صفات کے حضور کے ذریعہ اپنے پہچانے جانے سے اپنی ذاتی محبت کی بنا پر فرمائی ہے، جیسا کہ حدیث شریف قدسی "کُنۡتُ کَنۡزاً مَخۡفِیّاً، فَاَحۡبَبۡتُ اَنۡ اُعۡرَفَ. فَخَلَقۡتُ الۡخَلۡقَ لِکَیۡ اُعۡرَفَ"[5] (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے خلق کو پیدا کیا تا کہ پہچانا جاؤں) سے معلوم ہوتا ہے۔اس لئے تمام موجودات کی فطرت میں حب ذاتی وعشق جبلی ودیعت اور ایجاد فرمایا ہے اوراسی جذبہ الٰہیہ اورآتش عشق ربانی کی وجہ سے وہ کمال مطلق کی طرف متوجہ اورجمیل علی الاطلاق کے عاشق وطالب ہیں اوران میں سے ہر ایک کے لئے ایک فطری الٰہی نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ مقصد اورمقصود تک پہنچنے کا راستہ دریافت کرتے ہیں۔ یہ نار اور یہ نور وصول الی الاحق کا رفرف اور بلندی

---

[1] علم الیقین، ج ۲، ص ۹۶۷ میں اسی معنی کی روایت ہے۔

[2] سورۂ بقرہ: ۱۴۳

[3] اصول کافی، ج ۱، ص ۲۰۷، کتاب الحجہ، باب ان الائمۃ شہداء اللہ علی خلقہ، حدیث ۲

[4] تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۶۳، حدیث ۱۱

[5] اسرار الحکم، ص ۲۰

تک پہنچنے کا براق ہے اور شاید حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''رفرف'' اور ''براق'' ایسی نکتہ کی باریک اور لطیف شکل اور اسی حقیقت کی ملکی مثال وصورت ہو۔ اسی لئے وہ بہشت سے جو اس عالم کا باطن ہے نازل ہوا تھا۔

چونکہ موجودات مراتب تعینات میں نازل کئے گئے ہیں اور جمال جمیل محبوب جلت عظمت سے محجوب ہو گئے ہیں، لہٰذا حق تعالیٰ اس نار اور اس نور کے ساتھ ان کو تعینات ظالمانیہ اور نیات نورانیہ کے پردوں سے ''ہادی'' کے اسم مبارک کے ساتھ جو ان باریک ولطیف صورتوں کی حقیقت ہے باہر لے آتا ہے۔ پس ''ہدایت'' حق تعالیٰ کا یہی نور اور'' توفیق'' الٰہی اور طریق صورتوں کی سیر وسلوک کی یہی نار ''صراط مستقیم'' ہے اور حق تعالیٰ اسی صراط مستقیم پر ہے اور شاید آیہ شریفہ "مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"[1] (روئے زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اسی کے ہاتھ میں ہے اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے) سے اسی ہدایت اسی سیر اور اسی مقصد کی طرف اشارہ ہو، جیسا کہ اہل معرفت کے لئے ظاہر ہے۔

اور معلوم ہونا چاہئے کہ موجودات میں سے ہر ایک کے لئے خود اس کے ساتھ خاص صراط اور مخصوص نو رو ہدایت ہے "و الطُّرُقُ الَى اللهِ بِعَدَدِ اَنْفاسِ الْخَلایِقِ"[2] اور چونکہ ہر تعین میں ایک ظالمانی حجاب اور ہر وجود وانیت میں ایک نورانی حجاب ہے اور انسان مجمع تعینات اور جامع وجودات ہے اس لئے وہ حق تعالیٰ سے تمام موجودات میں محجوب ترین موجود ہے اور شاید آیہ کریمہ اسی معنی کی طرف اشارہ ہو "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ"[3] (تب ہم نے اس کو پست جگہوں میں سے سب سے پست جگہ پلٹا دیا)۔

اور اسی وجہ سے انسان کا صراط زیادہ طولانی اور زیادہ ظلمانی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ انسان کا ''رب'' اسم اللہ الاعظم کا حضور ہے کہ ظاہر و باطن، اول وآخر، رحمت وقہر اور بالآخر اسمائے متقابلہ ومتضادہ جس کی نسبت سے برابر ہیں۔ لہٰذا خود انسان کو منتہائے سیر میں مقام برزخیت کبریٰ حاصل ہونا چاہئے۔ اسی لئے اس کا صراط سب سے زیادہ باریک ہے۔

---

[1] سورۂ ہود: ۵۶

[2] تفسیر سورۂ حمد (مؤلفہ: امام خمینیؒ) تنبیہ اشراقی واشراق عرفانی..... ص: ۱۷

[3] سورۂ تین: ۵

تنبیہ ایمانی

جیسا کہ بیان کیا گیا اور معلوم ہو گیا، ہدایت کے لئے سیر سائرین کے انواع کے لحاظ سے اور سلوک سالکین کے مراتب کے اعتبار سے مراتب و مقامات ہیں۔ ہم بطور اجمال بعض مقامات کو طرف اشارہ کرتے ہیں تا کہ ضمناً ''صراط مستقیم، صراط مفرطین اور صراط مفرطین'' جو ''مغضوب علیہم'' اور ''ضآلین'' ہیں۔ ہر مرتبہ کے مطابق معلوم ہو جائے۔

پہلا مقام: ہدایت فطری کا نور ہے جس کی طرف تنبیہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا۔ ہدایت کے اس مرتبہ میں صراط مستقیم ملکی یا ملکوتی حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا معاصی قالبیہ و معاصی قلبیہ کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا غلو و تقصیر کے حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا نورانی یا ظلمانی حجابوں کے بغیر سلوک الی اللہ ہے یا وحدت یا کثرت کے حجابات کے بغیر سلوک الی اللہ ہے اور شاید "يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ"[1] (جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) ہدایت اور احتجابات کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہو جو خدا کے حضور میں مقدر ہو اہے جو ہمارے نزدیک حضرات اعیان ثابتہ میں تجلی کا مرتبہ واحدیت ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ کے حوصلہ سے بلکہ تحریر و بیان سے باہر ہے۔"وهو سِرٌّ مِنْ سِرِّ اللّٰهِ وَ سَتْرٌ مِنْ سَتْرِ اللّٰه.[2]

دوسرا مقام

ہدایت بہ نور قرآن ہے۔ اس کے مقابل اس کی معرفت میں غلو و تقصیر یا ظاہر پر وقوف و قناعت یا باطن پر وقوف و قناعت ہے۔ جیسا کہ بعض اہل ظاہر علوم قرآن کو معانی عرفیہ عامیہ اور مفاہیم سوقیہ وضعیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی اعتقاد کے ساتھ اس میں تفکر و تذکر کرتے ہیں اور ان کا استفادہ اس صحیفہ نورانیہ سے جو روحانی و جسمانی اور قالبی سعادتوں کا ذمہ داری ہے، صوری و ظاہری دستورات میں منحصر ہے اور ان تمام آیات کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان میں تدبیر و تفکر لازم یا بہتر ہے اور نور قرآن سے روشنی حاصل کرنے کو تا کہ معرفت کے دروازے کھلیں، پس

---

[1] سورہ نحل، آیت ۹۳، سورہ فاطر: ۷

[2] قَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام فِي الْقَدَرِ اَلَا اِنَّ الْقَدَرَ سِرٌّ مِنْ سِرِّ اللّٰهِ وَ سِتْرٌ مِنْ سِتْرِ اللّٰه. (التوحید، ص ۳۸۳، باب القضاء القدر، حدیث ۳۲)

پشت ڈالے ہوئے ہیں۔گویا قرآن دنیا میں حیوانی لذات، مقام حیوانیت کی تاکید اور بہیمانہ شہوات کی تائید کے لئے آیا ہے۔

بعض اہل باطن ''اپنے گمان میں'' ظاہر قرآن اور قرآن کی صوری دعوتوں سے جو محضر الٰہی کے آداب سکھانے اور سلوک الی اللہ کا دستور ہے اور یہ لوگ اس سے غافل ہیں، روگردانی کرتے ہیں اور ابلیس لعین اور نفس امارہ کی تلبیسات میں پڑ کر ظاہر قرآن سے منحرف اور اپنے خیال میں قرآن کے علوم باطنیہ میں مشغول ہیں۔حالانکہ ظاہری آداب ہی باطن تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں ہی گروہ راہ اعتدال سے الگ، قرآنی صراط مستقیم تک پہنچنے کے نور ہدایت سے محروم اور افراط و تفریط کا شکار ہیں اور عالم محقق و عارف مدقق کو چاہئے کہ ظاہر و باطن دونوں کا لحاظ رکھے اور صوری و معنوی دونوں طرح کے آداب سے آراستہ ہو جس طرح اپنے ظاہر کو نور قرآن سے منور کرے اسی طرح اپنے باطن کو اس کے انوار معارف و توحید و تجرید سے نورانی بنائے۔

اہل ظاہر کو معلوم ہو کہ قرآن کو محض ظاہری صوری آداب اور مٹھی بھر توحید و اسمائے صفات سے متعلق عام عقائد اور عملی و اخلاقی دستورات تک محدود رکھنا، قرآن کا حق نہ پہنچاننے کے مرادف اور شریعت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناقص جاننے کے برابر ہے، جب کہ اس سے زیادہ کامل شریعت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ورنہ عدل کے تقاضے کی بنا پر اس کو آخری شریعت کہنا ناممکن ہو جائے گا تو چونکہ شریعت آخری شریعت اور قرآن آخری آسمانی کتاب اور خالق و مخلوق کے درمیان آخری رابطہ ہے، لہٰذا حقائق توحید و تجرید اور معارف الٰہیہ کو جو آسمانی ادیان و شرائع اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کا اصلی مقصد اور حقیقی غرض و غایت پر، اوج کمال کا منتہیٰ اور آخری مرتبہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شریعت میں نقص لازم آئے گا جو عدل الٰہی اور لطف ربانی کے خلاف ہے اور یہ خود ایک ایسا ذلیل و پست محال اور ایسا قبیح عار ہے جس کے ننگ و عار کا ایک دھبہ بھی ادیان حق کے چہرہ سے ساتوں سمندروں میں دھوئے جانے کے بعد بھی نہیں چھوٹ سکتا، **والیعاذ باللہ**۔

اور اہل باطن کو معلوم ہو کہ مقصد اصلی اور غایت حقیقی تک پہنچنا، تطہیر ظاہر و باطن کے بغیر ممکن نہیں اور صورت و ظاہر کو وسیلہ بنائے بغیر لب و باطن تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ظاہر شریعت کا لباس زیب تن کئے بغیر بطن تک پہنچنے کی راہ پیدا نہیں ہو سکتی۔لہٰذا ظاہر کو ترک کرنے سے شریعت کے ظاہر اور باطن دونوں کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ شیطان جن و انس کے تلبیسات میں سے ہے۔ہم نے اس مطلب کو کچھ کتاب شرح اربعین حدیث میں بیان کیا ہے۔

تیسرا مقام: نور شریعت سے ہدایت ہے۔

چوتھا مقام: نور اسلام سے ہدایت ہے۔

پانچواں مقام: نور ایمان سے ہدایت ہے۔

چھٹا مقام، نور یقین سے ہدایت ہے۔

ساتواں مقام: نور عرفان سے ہدایت ہے۔

آٹھواں مقام: نور محبت سے ہدایت ہے۔

نواں مقام: نور ولایت سے ہدایت ہے۔

دسواں مقام: نور تجرید و توحید سے ہدایت ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے لئے افراط و تفریط اور غلو و تقصیر کی دو طرف ہیں۔ جن کی تفصیل موجب تطویل ہو گی اور شاید ان میں سے بعض یا تمام مراتب کی طرف کافی کی حدیث شریف اشارہ ہو جن میں ارشاد ہے: نَحْنُ، آلُ مُحَمَّدٍ، النَّمَطُ الْاَوْسَطُ الَّذی لا یُدْرِکُنا الْغالی، وَ لا یَسْبِقُنا التّالی.[1] (ہم آل محمدؐ درمیانی گروہ ہیں، حد سے بڑھ جانے والا ہم تک نہیں پہنچتا اور ہمارا پیروکار ہم سے آگے نہیں بڑھتا)۔

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

و فی الحدیث النّبوی: خَیْرُ هذِهِ الاُمَّةِ النَّمَطُ الْاَوْسَطُ یَلْحَقُ بِهِمُ التّالی وَ یَرْجِعُ اِلَیْهِمُ الْغالی.[2] (اس امت میں سب سے بہتر درمیانی گروہ ہے۔ ان سے پیچھے چلنے والا آن سے مل جاتا ہے اور حد سے بڑھنے والا واپس لوٹتا ہے)۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ عالم غیب و شہادت اور عالم دنیا و آخرت کے موجودات میں سے ہر ایک کے لئے ایک کا ایک مبدا ہے اور ایک معاد۔ اگر مبدا کل اور مرجع کل ذات الٰہی ہے، لیکن چونکہ اسماء کے حجاب کے بغیر موجودات عالیہ یا سافلہ پر ذات حق تعالیٰ کی بالذات کوئی تجلی نہیں ہے اور اس مقام کے مطابق جو ایک، بے اسم و رسم لا مقامی، ہے اور موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس سے کوئی تناسب نہیں ہے اور کسی ارتباط و اختلاط کی گنجائش نہیں ہے (اَیْنَ التُّراب وَ رَبُّ

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۳۶، کتاب التوحید، باب النہی عن الصفۃ، حدیث ۳

[2] لسان العرب، مادہ، نمط، ج۷، ص ۴۱۷، روایت حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی ہے۔

الارْبابِ.[1]

چنانچہ اس لطیف نکتہ کی تفصیل ہم نے مصباح الہدایۃ[2] میں پوری طرح بیان کی ہے۔

لہٰذا ذات مقدس کی مبدایت و مصدریت اسماء کے حجابات میں ہے اور اسم اس کا عین مسمی ہونے کے باوجود اس کا حجاب بھی ہے۔ اس لئے عوالم غیب و شہادت تجلی اسماء کے مطابق اور اسماء ہی کے حجاب میں ہوتی ہے۔ اس طرح جلوہ اسماء وصفات میں ذات مقدس کی تجلیات ہیں جنہیں اہل معرفت ''اعیان ثابتہ'' کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہر تجلی اسمی کے لئے حضور علمی میں ایک عین ثابت لازم ہے اور ہر اسم کے لئے تعین علمی کے ساتھ نشئہ خارجیہ میں ایک مظہر ہے جس کا مبدا و مرجع وہی اسم ہے جو اسم کی طرف ہوتی ہے اور جو اس کا مبدا و مرمصدر ہے وہی اس کے، صراط مستقیم، سے عبارت ہے۔ لہٰذا ہر ایک کی ایک مخصوص سیر اور ایک مخصوص صراط ہے اور ایک مخصوص مبدا و مرجع ہے جو طوعاً یا کرہاً حضرت علم میں مقدر ہے اور مظاہر و صراط کا اختلاف ظاہر اور حضرات اسماء کے اختلاف سے ہوتا ہے۔

اور معلوم رہے کہ ''تقویم'' انسان اعلیٰ علیین میں، جمع اسمائی ہے۔ اسی جہت سے، اسفل سافلین، کی طرف اسے رد کیا گیا ہے اور اس کا صراط اسفل سافلین سے شروع ہوتا ہے اور اعلیٰ علیین پر تمام ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا صراط ہے جن پر اللہ نے نعمت مطلقہ عطا کر کے انعام کیا ہے۔ یہ نعمت کمال جمع اسمائی کی نعمت ہے جو نعمات الٰہیہ میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔

دوسرے صراط، چاہے سعداء اور، منعم علیہم، کے صراط ہوں یا اشقیاء کے صراط ہوں، نعمت، مطلقہ کا فیض جتنا کم ہوگا اسی کے بقدر افراط و تفریط کی دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف میں داخل ہوں گے۔ پس انسان کامل کا صراط فقط صراط، منعم علیہم، ہے بہ قول مطلق اور یہ صراط اصالتاً ذات مقدس حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہے اور دیگر اولیاء و انبیاءؑ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تبعیت میں ثابت ہے اور اس کلام کا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، حضرات ''اسماء و اعیان'' کے سمجھنے کا محتاج ہے جس کو رسالہ مصباح الہدایۃ میں ہم نے بیان کیا ہے۔ **و اللّٰہ الھادی الی سبیل الرّشاد.**

---

[1] خاک کہاں رب الارباب کہاں، عفیف عسیران مصحح کتاب، تمہیدات عین القضاۃ، ص۲۷۶، پر اس کو حدیث کے عنون سے تحریر کی اہے۔ (اسرار الحکم سبزواری، ۲۳)

[2] مصباح الھدایه النص 48 نور 9.....ص: 47

ایک اقتباس مزید توضیح کے لئے:

شیخ جلیل بہائی (قدس سرہ)، رسالہ عروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں: خدائے سبحان کی نعمتیں اگر چہ اس سے اجلّ ہیں کہ ان کی حد بندی کی جاسکے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [1]

اگر نعمات خداوندی کو شمار کرنا چاہو گے تو تم شمار نہیں کر سکو گے۔

لیکن وہ دو جنس کی ہے، ایک دنیاوی نعمتیں، دوسری اخروی نعمتیں اور ان میں سے ہر ایک یا موہبت وعطا ہے یا اجر و جزا اور ان میں ہر ایک یا روحانی ہے یا جسمانی، یہ مجموعی طور پر آٹھ قسمیں ہوتی ہیں:۔

اول: دنیاوی موہبتی روحانی نعمت، جیسے نفخ روح اور عقل و فہم کا فیض۔

دوم: دنیاوی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے اعضاء اور ان کے قویٰ کی تخلیق۔

سوم: دنیاوی کسبی روحانی نعمت، جیسے نفس کا امور دنیہ سے تخلیہ اور اس کو اخلاق پاکیزہ اور ملکات عالیہ سے آراستہ کرنا۔

چہارم: دنیاوی کسبی جسمانی نعمت، جیسے پسندیدہ شکل وصورت اور اچھے خدو خال سے پیراستہ کرنا۔

پنجم: اخروی موہبتی روحانی نعمت، جیسے ہمارے گناہوں کو بخشنا اور ہم میں سے اس شخص سے راضی ہوجانا جس نے سابق میں توبہ کر لی ہو۔

شیخ بہائی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس مثال میں یوں ہی ہے جیسی ذکر کی گئی اور بظاہر نسخہ نویس سے اشتباہ ہوا ہے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حق تعالیٰ ہم کو سابق میں توبہ کے بغیر بخش دے گا، فراجع۔

ششم: اخروی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے دودھ اور شہد کی نہریں۔

ہفتم: اخروی موہبتی روحانی نعمت، جیسے سابق میں توبہ کی وجہ سے بخشش و رضا اور جیسے وہ روحانی لذتیں جو اطاعات کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں۔

ہشتم: اخروی کسبی جسمانی نعمت، جیسے جسمانی لذتیں جو اطاعت کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں۔

اور اس جگہ نعمت سے چار آخری نعمتیں مراد ہیں اور جو چیزیں ان چار قسم کی نعمتوں تک پہنچنے کا

[1] سورہ ابراہیم، آیت ۳۴، سورہ نحل: ۱۸

وسیلہ ہوتی ہیں وہ پہلی چار قسمیں ہیں۔ (کلام شیخ قدس سرہ کا ترجمہ تمام ہوا)[1]

شیخ کی یہ تقسیمات اگرچہ لطیف تقسیمات ہیں، لیکن سب سے اہم الٰہی نعمت اور کتاب الٰہی کا سب سے بڑا مقصد شیخ بزرگوار کے قلم سے چھوٹ گیا اور فقط ناقصین ومتوسطین کو ملنے والی نعمتوں پر اکتفا ہو گئی ہے اوران کے کلام میں اگرچہ لذات روحانی کا بھی نام لیا گیا ہے، لیکن اخروی روحانی لذت جو فعل طاعات سے حاصل ہو وہ اخروی روحانی لذت جو فعل طاعات سے حاصل ہو متوسطین کا حصہ ہے۔ اگر ہم یہ نہ کہیں کہ ناقصین کا حصہ ہے۔

وبالجملہ، جن نعمتوں کا ذکر شیخ بزرگوار نے فرمایا اور جو لذات حیوانیہ اور حظوظ نفسانیہ کی طرف پلٹتی ہیں ان کے علاوہ اور بھی نعمتیں ہیں جن میں سب سے عمدہ تین ہیں:

اول: معرفت ذات ومعرفت توحید ذاتی کی نعمت، جس کی اصل سلوک الی اللہ اور جس کا نتیجہ بہشت لقاء ہے اور اگر سالک کی نظر نتیجہ پر ہو تو یہ سلوک کا نقص ہے، کیونکہ، خود اور لذات خود، کوترک کرنے کا مقام ہے اور نتیجہ کے حصول کی طرف توجہ ''خود کی طرف توجہ'' ہے اور یہ خود پرستی ہے خدا پرستی نہیں، تکثیر ہے توحید نہیں اور تلبیس ہے تجرید نہیں۔

دوم: معرفت اسماء کی نعمت اور کثرت اسمائی کے مطابق اس نعمت کے بہت سے شعبے ہیں اور اگران کے مفردات کا حساب کیا جائے تو ہزار ہیں اور اگر دو یا چند اسموں کی ترکیبات کے ساتھ حساب کیا جائے تو حد احصاء سے خارج ہیں (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا)۔

اور توحید اسمائی اس مقام پر معرفت ''اسم اعظم'' کی نعمت ہے جو جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور معرفت اسماء کا نتیجہ ہر شخص کے لئے ایک اسم یا چند کی معرفت کے بقدر فرداً یا جمعاً بہشت اسماء ہے۔

سوم: معرفت افعال کی نعمت، اس نعمت کے بھی کثیر اور لامحدود شعبے ہیں اور اس مرتبہ میں مقام توحید جمع تجلیات فعلیہ کا مقام احدیت ہے جع مقام، فیض مقدس، اور مقام ''ولایت مطلقہ'' ہے اور اس کا نتیجہ، بہشت افعالی، ہے یعنی قلبی سالک میں حق تعالیٰ کے تجلیات افعالی اور شاید حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے لئے اول امر میں جو تجلی ہوئی جس کو دیکھ کے انہوں نے کہا: اٰنَسْتُ

[1] رسالہ عروۃ الوثقیٰ، ص ۳۸

نَارًا"[1] تجلی افعالی تھی اور وہ تجلی جس کی طرف قول خدا ئے تعالیٰ: "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا"[2] تجلی اسمائی تھی یا تجلی ذاتی۔

پس صراط ''منعم علیہم'' مقام اول میں ''صراط'' سلوک الیٰ ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام ''صراط'' سلوک الی ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام میں ''صراط'' سلوک بہ اسماء اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات اسمائی ہیں اور مقام سوم میں ''صراط'' سلوک بہ فعل اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات افعالی ہیں۔ جن لوگوں کو یہ مقامات حاصل ہیں، ان کی نظر عام بہشتوں اور لذتوں کی طرف نہیں ہوتی، چاہے روحانی ہوں یا جسمانی، جیسا کہ روایات میں بھی بعض مومنین کے لئے یہ مقام ثابت کیا گیا ہے [3]

خاتمہ

معلوم رہے کہ سورہ مبارک ''حمد'' جس طرح تمام مراتب وجود پر مشتمل ہے اسی طرح تمام مراتب سلوک کو بھی شامل ہے۔ نیز بطور اشارہ تمام مقاصد قرآن کو بھی شامل ہے اوران مطالب میں غور وفکر اگر چہ ایک مکمل بحث اور اس گفتگو کے علاوہ ایک مستقل گفتگو کی ضرورت کا متقاضی ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ بھی اہل معرفت و یقین کے لئے فائدہ، بلکہ فوائد سے خالی نہیں ہے۔

پس مقام اول کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تمام دائرہ وجود اور نزول و صعود کی دو کمانوں کی طرف اشارہ ہو۔ لہٰذا، اسم اللہ، قبض و بسط کا مقام احدیت اور ''رحمٰن'' بسط وظہور کا مقام احدیت ہے جو قوس نزول ہے اور ''رحیم'' قبض و بطون کا مقام احدیت ہے جو قوس صعود ہے اور ''الحمد للہ'' ہوسکتا ہے، عالم جبروت اور ملکوت اعلیٰ جن کی حقیقتیں محامد مطلقہ ہیں، کی طرف اشارہ ہو اور ''رب العالمین'' تربیت اور ''عالمین'' کی مناسبت سے جو مقام سوائیت ہے، عوالم طبیعت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو ہر ذات ہی سے متحرک و منظم اور اسی کے زیر تربیت ہیں اور ''مالک یوم الدین'' مقام وحدت وقہاریت اور مقام رجوع دائرہ وجود کی طرف اشارہ ہے اور اس مقام

---

[1] سورہ طٰہٰ: ۱۰، نمل: ۷، سورہ قصص، آیت ۲۹

[2] سورۂ اعراف: ۱۴۳

[3] بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۲۳

پر تمام دائرہ وجود نزول وصعود دونوں طرح سے ختم ہو جاتا ہے۔

مقام دوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ: ''استعاذہ'' جو مستحب ہے، شاید غیر حق کے ترک اور سلطنت شیطانی سے فرار کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ یہ ''استعاذہ'' مقامات کا مقدمہ ہے، ان مقامات کا جزء نہیں ہے، کیونکہ رذائل سے تخلیہ فضائل سے تخلیہ آراستگی کا مقدمہ ہے اور چونکہ بالذات مقامات کمالیہ میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے استعاذہ سورہ کا جزء نہیں ہے، بلکہ سورہ میں داخل ہونے کا مقدمہ ہے اور ''تسمیہ'' شاید توحید فعلی و ذاتی کی طرف اشارہ ہو اور دونوں میں جمع کی طرف بھی اشارہ ہو اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' تک شاید توحید فعلی کی طرف اشارہ ہو اور ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' فنائے کامل اور توحید ذاتی کی طرف اشارہ ہو اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' سے حال صحو و رجوع شروع ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں ''استعاذہ'' خلق سے حق کی طرف سفر اور بیت نفس سے خروج ہے اور ''تسمیہ'' خلقیت اور عالم کثرت سے الگ ہونے کے بعد حقانیت کے ساتھ تحقق کی طرف اشارہ ہے اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' تک حق سے، حق کے لئے، حق میں سفر، کی طرف اشارہ ہے اور ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' میں یہ سفر تمام ہو جاتا ہے اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں حق سے خلق کی طرف سفر صحو و رجوع کے حصول کے ذریعہ شروع ہو جاتا ہے اور ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں یہ سفر تمام ہو جاتا ہے۔

مقام سوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سورہ شریفہ قرآن شریف میں مذکور مقاصد الٰہیہ میں سے سب سے اہم اور عمدہ مقصد پر مشتمل ہے، کیونکہ قرآن کے اصل مقاصد معرفۃ اللہ کی تکمیل، توحیدات ثلاثہ کی تحصیل، حق وخلق کے مابین رابطہ سلوک الی اللہ کی کیفیت، لطیف ورقیق قوتوں کی حقیقۃ الحقائق کی طرف واپسی، تجلیات الٰہیہ کی جمعاً وتفصیلاً اور فرداً وترکیباً معرفی، سلوک وتحقق کے اعتبار سے خلق کی رہبری اور بندوں کی علمی، عملی

اور عرفانی وشہودی تعلیم ہیں اور یہ تمام حقائق اس سورہ شریفہ میں کمال ایجاز واختصار کے ساتھ جو قرآن کی ایک خصوصیت ہے، موجود ہیں۔

پس یہ سورہ شریفہ ''فاتحۃ الکتاب'' اور ''ام الکتاب'' اور مقاصد قرآن کی اجمالی صورت ہے اور چونکہ کتاب الٰہی کے تمام مقاصد کی بازگشت ایک ہی مقصد، یعنی حقیقت توحید کی طرف ہے جو تمام نبوتوں کی غایت اور تمام انبیاء علیہم السلام کے مقاصد کی نہایت ہے اور توحید کے حقائق واسرار آیہ مبارکہ، بسم اللہ، میں پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے یہ آیہ شریفہ آیا الٰہیہ میں سب سے زیادہ باعظمت ہے اور کتاب الٰہی کے تمام مقاصد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے،

[1] اور چونکہ، باء، ظہور توحید اور نقطہ تحت الباء، [2] سر توحید ہے اس لئے تمام کتاب ظہور و سر دونوں طرح سے اس، باء، میں موجود ہے اور انسان کامل، یعنی حضرت علی علیہ السلام کا وجود مبارک سر توحید کا نقطہ ہے، [3] اور عالم میں کوئی آیت حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؐ کے وجود مبارک سے زیادہ عظیم نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، [4]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۹۲، ص ۲۳۸، اس سلسلہ میں تین حدیثیں بیان کی ہیں۔

[2] قولنا تحت الباء اور اگر اشکال پیدا ہو کہ کوئی رسم الخط میں جو نزول قرآن کے وقت رائج تھا، نقطہ کا وجود نہ تھا تو کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حقیقت و واقعیت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ اگر چہ نقش ظہور کے اعتبار سے متاخر ہو، کیونکہ حقائق پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس دعوے کی صحت بھی بطور مطلق اطمینان بخش دلیل نہیں بنتی اور صرف تعارف عدم مطلق کی دلیل نہیں ہے، تامل

[3] انا النقطة تحت البآء، (اسرار الحکم، ص ۵۵۹)

[4] تفسیر صافی، ج ۲، ص ۷۷۹، ذیل آیہ شریفہ، عین النبا العظیم

سورہ حمد کی فضیلت روایات کی نظر میں

(۱)منها ما رُوِیَ عَنِ النَّبیّ- صلی اللّٰه علیه و آله- أَنّهُ قالَ لِجابِرِ بْنِ عبدِ اللّٰه الانصاری-رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ: یا جابِرُ، أَ لا اعَلِّمُكَ أَفْضَلَ سُورَةٍ أَنْزَلَها اللّٰه فی کِتابِهِ؟ فَقالَ لَهُ جابِرٌ: بَلی، بِأَبِی أَنْتَ و امّی یا رَسُولَ اللّٰه، عَلِّمْنیها. قالَ: فَعَلَّمَهُ اَلْحَمْدَ امَّ الْکِتابِ. ثُمّ قال: یا جابِرُ، أَ لا اُخْبِرُكَ عَنْها؟ قال: بَلی، بِأَبی أَنْتَ و امّی یا رسول اللّٰه، اخْبِرْنی. قال: هِیَ شِفاءٌ مِنْ کُلِّ داءٍ اِلّا السّام.[۱]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے فرمایا: اے جابر! کیا وہ بزرگ ترین سورہ جو خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے تمہیں نہ سکھاؤں؟

جابر نے عرض کی: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سکھایئے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سورہ حمد'' ام الکتاب انہیں تعلیم دی

پھر فرمایا: اے جابر! کیا تمہیں اس سورہ سے آگاہ نہ کروں؟

جابر نے کہا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس سے باخبر کیجئے۔

فرمایا: وہ موت کے علاوہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

(۲) ابن عباس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

ہر چیز کی ایک اساس ہوتی ہے اوراساس قرآن ''فاتحہ'' ہے اوراساس ''فاتحہ'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے[۲]

---

[۱] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث ۹

[۲] مجمع البیان، ج۱، ص۱۷

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ

"فاتحۃ الکتاب" میں ہر مرض سے شفا ہے،[۱]

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

جس کو "الحمد للہ" سے شفا نہ ملے اسے کسی چیز سے شفا نہیں مل سکتی۔[۲]

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدائے تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے یقیناً تمہارے لئے سبع مثانی اور قرآن عظیم بھیجا،[۳]

اس کے علاوہ ایک اور احسان مجھ پر کیا فاتحۃ الکتاب کے ذریعہ اور اس کو قرآن کا مد مقابل قرار دیا اور یقیناً فاتحۃ الکتاب عرش کے خزانوں میں بزرگ ترین چیز ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص کیا اور اس سے آپ کو شرف بخشا اور اس شرف میں آپ کے ساتھ اپنے انبیاءؑ میں سے کسی کو شریک نہیں کیا سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنہیں فاتحۃ الکتاب میں سے فقط "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" عطا فرمائی۔ چنانچہ بلقیس کے بارے میں حکایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.[۴]

(غرض ہُد ہُد نے خط ملکہ کے پاس پہنچا دیا) تو ملکہ بولی (اے میرے دربار کے) سردارو یہ ایک محترمانہ خط میرے پاس ڈال دیا گیا ہے۔ یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے یہ (اس کا سرنامہ ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پس جو شخص اس کی تلاوت کرے اس طرح کہ محمد وآل محمد علیہم السلام کی محبت دل میں رکھتا ہو اور اس

---

[۱] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث۹، مجمع البیان، ج۱، ص۱۷

[۲] تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۰، حدیث۱۰، بحار الانوار، ج۸۹، ص۲۳۷، حدیث ۳۴

[۳] وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (سورہ حجر، آیت ۸۷)

[۴] سورہ نمل: ۲۹، ۳۰

قرآن کے حکم کا پیرو ہو اور اس کا ظاہر بھی مومن ہو اور باطن بھی، تو خداوند عالم اس کے ہر حرف کی قرائت کے بدلے میں ایک نیکی عطا فرماتا ہے، جن میں ہر ایک نیکی اس کے لئے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے، مال و دولت، سب سے بہتر ہے اور جو شخص قرآن پڑھنے والے کی تلاوت کو سنے اس کو قاری کے ثواب کے ایک تہائی کے برابر ثواب ملے گا۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ جو خیر اس کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں اضافہ کرے، کیونکہ وہ غنیمت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا وقت ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دل میں اس کی حسرت رہ جائے، [1]

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

اگر مردے پر ستر مرتبہ پڑھ دیں اور اس کی روح واپس آجائے تو کچھ عجب نہیں ہے، [2]

(۷) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ

جو شخص فاتحۃ الکتاب کی قرائت کرے تو اسے دو ثلث قرآن کی قرائت کا ثواب ملتا ہے، [3]

(۸) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے

کہ ایسا ہے جیسے پورے قرآن کی تلاوت کی ہو۔ [4]

(۹) ابی بن کعب سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے فاتحۃ الکتاب پڑھی آپؐ نے فرمایا:

قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، خدا نے توریت و انجیل و زبور اور قرآن میں فاتحۃ الکتاب کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ وہ ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور وہ خدا اور اس کے بندہ کے درمیان تقسیم ہے اور اس کے بندہ کے لئے وہ سب ہے جو وہ مانگے، [5]

(۱۰) حذیفہ بن یمان ؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۰۱، حدیث ۲۰، بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۲۲۷، حدیث ۵)

[2] تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۹، تفسیر سورہ حمد، حدیث ۸

[3] بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۲۵۹، مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۷

[4] بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۲۵۹، مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۷

[5] مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۷

خدائے تعالیٰ حتمی اور فیصل شدہ عذاب کسی قوم کے لئے بھیجتا ہے اوراس وقت ان کے بچوں میں سے کوئی بچہ قرآن میں سے، الحمد للہ رب العالمین، پڑھتا ہے جب خدا ئے تعالیٰ سنتا ہے تو چالیس سال تک لئے عذاب اٹھالیتا ہے۔[1]

اورابن عباس سے منقول ہے کہ

ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا اوراس نے کہا: آپؐ کو دونور مبارک ہوں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں اور آپؐ سے قبل انبیاءؑ کونہیں دیئے گئے۔ وہ دونور، فاتحۃ الکتاب، اورسورہ، بقرہ کے خواتیم، ہیں۔ ہرگز کوئی ان میں سے کسی حرف کی قرائت نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ ہم اس کی حاجت پوری کرتے ہیں،[2]

(۱۱) یہ روایت مجمع البیان میں تقریباً اسی مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے،[3]

---

[1] تفسیر کبیر، ج۱، ص ۱۷۸

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب القرائۃ، باب ۴۴، حدیث ۳

[3] مجمع البیان، ج۱، ص ۱۸

فصل ششم

سورہ مبارکہ توحید کی مختصر تفسیر

معلوم ہو کہ یہ سورہ چونکہ حق تعالیٰ کا نسب ہے، جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے کہ من جملہ ان کے کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: اپنے پرودگار کا نسب ہم سے بیان کیجئے! آپؐ نے جواب میں تین روز تک تاخیر کی اور انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد نازل ہوا، "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔۔۔ الخ. [1]

لیکن اس کے باوصف اہل معرفت کو بھی اس میں نصیب ہے اور جس چیز سے اہل قلوب کو فائدہ ملتا ہے، عقل مجرد کی میزان میں اس کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔

ولعمر الحبیب، یہ سورہ شریفہ ان امانتوں میں سے ہے جن کو اٹھانے سے سماوات ارواح، اراضی اشباح اور جبال انیات عاجز رہ گئے اور اس انسان کامل کے علاوہ یہ قدرت کسی میں نہیں ہے جو حدود امکان سے آگے بڑھ چکا ہو اور خود سے بے خود ہو چکا ہو، لیکن پھر بھی ایک خوشخبری اور بشارت کی ضرورت ہے جو آخر زمانہ کے لوگوں کی آنکھوں کو روشن کرے اور اہل معرفت کے دلوں کو اطمینان بخشے اور وہ ایک حدیث ہے جو کافی شریف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ

> حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام سے توحید کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: یقیناً خدائے عزوجل جانتا تھا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو گہری نظر رکھتے

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۱۲۲، کتاب التوحید، باب النسبۃ، حدیث ۱

ہوں گے۔ اس لئے،قل ھو اللہ احد، اورسورہ حدید کی آیات،علیم بذات الصدور، تک نازل فرمائیں۔پس جوشخص اس کے علاوہ قصد کرے گا وہ ہلاک ہوگا، [۱]

اس حدیث سے پتہ چلتاہے کہ ان آیات شریفہ اور اس سورہ مبارکہ کوسمجھنا گہرائی سے سوچنے والوں اور باریک نظر رکھنے والوں کا حصہ ہے اوران میں توحید ومعرفت کے اسرار مضمر ہیں اورلطیف علوم الٰہی حق تعالیٰ نے ان کے اہل کے لئے نازل کئے ہیں اور جولوگ توحید ومعارف الٰہیہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے،ان کوان آیات کے بارے میں غور وفکر کا حق نہیں۔ وہ یہ حق نہیں رکھتے کہ ان آیات کو عام سوقیانہ معانی پر [جنہیں وہ خود سمجھتے ہیں] محمول ومنحصر کریں۔

سورہ مبارکہ،حدید، کی ابتدائی آیات شریفہ میں توحید کی باریکیاں اوراسرار الٰہیت وتوحید سے متعلق جلیل القدر معارف بیان کئے گئے ہیں جنکے نظیر کسی الٰہی آسمانی کتاب اوراہل معرفت وقلوب کے کسی صحیفے میں نظرنہیں آتی اوراگر حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق نبوت اورکمال شریعت کے لئے ان آیات کے علاوہ اورکچھ نہ ہوتا تو اہل نظر اورارباب معرفت کے لئے یہی کافی تھیں۔سب سے بڑا شاہد اس بات کا کہ یہ معارف حوصلہ بشر سے بالاتر اورفکر انسانی کے دائرہ سے باہر ہیں، یہ ہے کہ ان آیات شریفہ اوران جیسی معارف پر مشتمل قرآنی آیات کے نزول سے قبل،نوع بشر کواس طرح کے معارف سے سابقہ نہیں ہوا تھااور ان اسرار تک پہنچنے کا کوئی راستہ انہیں معلوم نہ تھا۔اب بڑے بڑے فلاسفہ عالم کے کتب وصحف حالانکہ ان کے علوم کا سرچشمہ بھی وحی الٰہی ہے،موجود ہیں کہ شاید ان میں سب سے اعلیٰ اورلطیف فیلسوف عظیم الشان،حکیم بزرگوار ارسطاطالیس کی تصنیف، اثولوجیا، [۲]۔

---

[۱] اصول کافی، ج۱،ص ۱۲۵، کتاب التوحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۴

[۲] لغت نامہ ودہخدائے مادہ ''ارسطو'' کے ذیل میں ''اثولوجیا'' کو ارسطو کے آثار میں شمار کیا ہے اورلکھا ہے کہ: اثولوجیا اورربوبیت کے بارے میں بحث ہے اور اس کی '' فرفوریوس صوری'' نے تفسیر کی ہے اور عبدالمسیح بن عبداللہ الحمصی الناعمی نے عربی میں نقل کیا ہے اور ابویوسف یعقوب بن اسحاق الکندی نے احمد بن المعتصم کے لئے اس کی اصلاح کی ہے۔ برلین میں ۱۸۸۲ء میلادی میں طبع ہوئی اور''قبسات'' تالیف میر داماد کے حاشیہ پر بھی ایران میں ۱۳۱۴ھ ق میں چھپی، لین مادہ۔ اثولوجیا کے ذیل میں یوں لکھاہے: اثولوجیا، یونانی (ث اس ل گس) سے بمعنی الٰہیات، میامیر، فلوطینس، جو مسلمانوں میں ''شیخ الیونان'' کے نام سے مشہور ہے ایک کتاب کا نام اوروہ ''تاسوعات'' کی کتاب چہارم تاششم پر مشتمل ہے اوربعض قدماء نے غلطی سے اسی کتاب کو''ارسطو'' کی طرف منسوب کیا ہے۔لیکن ۱۳۱۴ھ میں کتاب اثولوجیا، کتاب قبسات کے حاشیہ پر ابوالقاسم بن آخوند ملا رضا کمر بنی کے ذریعہ لکھی گئی ہے اورلغت نامہ دہخدا میں تاریخ کتابت کواشتباہاً تاریخ طبع سمجھ لیا گیا ہے۔

جس کے سامنے شیخ الرئیس ابوعلی سینا جیسے اعجوبہ روزگار اور نادرہ دہر نے بھی خاکساری و عاجزی سے سر تسلیم خم کیا ہے۔ علم منطق اور اس کے قواعد کی تنظیم اسی کے رشحات فکر میں سے ہے اور اسی وجہ سے اس کو ''معلم اول'' کہتے ہیں۔ شیخ الرئیس فرماتے ہیں کہ جس زمانے سے اس نے قواعد منطق کو منظم کیا ہے، اس وقت سے آج تک اس کے بنائے ہوئے کسی ایک قاعدہ پر نہ کوئی شبہ وارد کر سکا ہے اور نہ مزید قواعد کی تاسیس کر سکا! تمام اوصاف کے باوجود۔ حالانکہ اس کتاب شریف کو معرفت ربوبیت کی غرض سے لکھا جس میں اس موضوع پر بنیادیں قائم کی ہیں اور قوانین وضع کئے ہیں۔ آپ دیکھ لیں کہ کیا اول سے آخر تک یہ کتاب شریف مقام ربوبیت کے تعارف کے لئے سورہ، حدید، کی ابتدائی آیہ شریفہ کے مثل یا اس کے قریب المعنی جس میں توحید کے اس عظیم راز کی بو بھی پائی جاتی ہو، ہے؟ اور وہ خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ. (وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور (اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ)[۱] یا اس سے ملتا جلتا قول تمام فلاسفہ عالم کے اقوال میں ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ [۲] (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)۔

اب گہرائی سے سوچنے والی قومیں ارباب نظر و معرفت جانتے ہیں کہ ان آیات میں کیا اسرار پوشیدہ ہیں اور خدائے تعالیٰ نے کیسے کلام شریف اور راز عظیم کے ذریعہ آخر زمانہ کے لوگوں کو اعزاز بخشا ہے اور ان پر احسان کیا ہے جو شخص بھی ادیان عالم اور اکابر فلاسفہ کے معارف پر نظر کرے گا اور ان کے معارف مبدا و معاد کا موازنہ ان معارف سے کرے گا جو دین السام اور بزرگ اسلامی حکماء اور اس ملت کے عظیم عرفاء نے پیش کئے تو اسے تصدیق کرنا پڑے گی کہ یہ معارف نور قرآن مجید اور احادیث حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارشادات اہل بیت رسالت علیہم السلام کی روشنی ہیں جو نور قرآن کے سرچشمہ سے حاصل ہوئے ہیں۔ تب سمجھے گا کہ اسلامی حکمت و عرفان کا تعلق نہ یونان سے ہے نہ یونانیوں سے، بلکہ اس سے کوئی شباہت ہی نہیں رکھتا۔

ہاں! بعض حکمائے اسلام حکمت یونان کے ڈھرے پر ضرور چلے ہیں، جیسے شیخ الرئیس، لیکن حکمت شیخ بازار اہل معرفت اور معرفۃ الربوبیت و مبدا و معاد کے باب میں کوئی رونق و تازگی نہیں رکھتی اور اہل معرفت کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

بالجملہ، آج کا فلسفہ حکمائے اسلام کو اور اہل معرفت کے معارف جلیلہ کو حکمت یونان سے نسبت دیتا ہے۔ یہ قوم

---

[۱] سورہ حدید، آیت ۳

[۲] سورہ حدید، آیت ۴

کی کتابوں سے بے خبر ہونے کی دلیل ہے۔جیسے فیلسوف عظیم الشان اسلامی صدر المتاہلین قدس سرہ ،استاد عظیم الشان محقق داماد قدس سرہ، ان کے شاگرد بزرگوار فیض کاشانی قدس سرہ اور فیض کے شاگرد عظیم الشان عارف جلیل ایمانی، قاضی سعید قمی قدس سرہ نیز یہ نسبت صحیفہ الٰہیہ اوراحادیث معصومین علیہم السلام کے معارف سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔اسی بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے ہر حکمت کو یونان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور حکمائے اسلامی کو حکمت یونان کا تابع سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہم نے کچھ سورہ کریمہ توحید کے دقیق نکات اور کچھ آیات شریفہ سے متعلق اشارات کتاب ''شرح اربعین'' میں بیان کئے ہیں اوراس سورہ مبارکہ کی مختصر تفسیر ''سر الصلاۃ'' میں لکھی ہے۔تھوڑی سی یہاں بھی تحریر کرتے ہیں۔ **وعلی اللہ التکلان**۔

پس ہم کہتے ہیں:اس سورہ کی، بسم اللہ، اگر خود اسی سورہ سے متعلق ہے،جیسا کہ ہم نے سورہ،حمد، میں احتمال دیا ہے،تو شاید اشارہ اس بات کی طرف ہوگا کہ نسب حق کی شرح اور اسرار توحید کا بیان اپنی انانیت کے ساتھ اوراپنی طرف منسوب زبان سے نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جب تک سالک خودی کے حجاب سے باہر نہ آئے گا، مقام مشیت مطلق اور حضرت فیض مقدس میں متحقق نہ ہوجائے گا اور ہستی مطلق میں فانی نہ ہوجائے گا تب تک اسرار توحید کا ادراک ہی نہیں کرسکتا۔

"قل" احدیت جمع کے حضور سے مقام برزخیت کبریٰ ومرات جمع وتفصیل کی طرف امر ہے،یعنی کہو اے محمدؐ! اے مرات ظہور احدیت جمع ! مقام تدلی ذاتی یا مقام مقدس ''اوادنیٰ'' میں جو شاید مقام ''فیض اقدس'' کی طرف اشارہ ہو خود سے فانی اور بقاء حق کے ساتھ باقی زبان ہو، **ھو اللہ احد**۔

اے راہ معرفت وتوحید کے راہی! اوراے تنزیہ وتجرید کی بلندیوں پر جانے والے! یادرکھو کہ ذات مقدس حق تعالیٰ، **من حیث ھی** (جیسی وہ ہے) تجلیات ظاہرہ و باطنہ سے منزہ اور اشارہ ورسم اورصفت واسم سے مبرا ہے۔اہل معرفت کا دست امید اس کے دامن کبریائی تک جانے سے قاصر اوراصحاب قلوب کے پائے سلوک اس کی بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ اولیائے کاملین کی غایت معرفت "**ما عرفناك**" اور اصحاب اسرار کی نہایت سیر "**ما عبدناك**" ہے۔[1] سرحلقہ اہل معرفت اورامیر اہل توحید اس مقام رفیع کے بارے میں فرماتے ہیں: "**كَمَالُ**

---

[1] اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس روایت کی طرف: "عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ". (بحار الانوار (ط-بیروت)/ ج68 / 23 / باب 61 الشکر..... ص:18)

الْإِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ". [1]

اور پیشوائے اہل سلوک، سید ساجدین و عارفین اس پیش گاہ بلند میں یوں مدحت سرا ہیں: ضَلَّتْ فِيكَ الصِّفَاتُ، وَ تَفَسَّخَتْ دُونَكَ النُّعُوت. [2]

اصحاب سلوک علمی و اصطلاحات، ذات مقدس کو ''غیب مصون'' ''سرمکنون'' ''عنقائے مغرب'' اور ''مجہول مطلق'' کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذات اسماء و صفات کے حجاب کے بغیر کسی آئینے میں تجلی نہیں کرتی اور نشئات وجود کے کسی نشئہ میں اور عوالم غیب و شہود کے کسی عالم میں کوئی ظہور نہیں کرتی، لیکن "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" [3] (وہ ہر روز ایک شان میں ہے) کے مطابق اس کی ذات مقدس کے لئے اسماء و صفات اور شئون جمالیہ و جلالیہ ہیں اور اس کے لئے کچھ اسمائے ذاتیہ ہیں مقام احدیت میں جو مقام غیب ہے اور ان اسماء کو اسمائے ذاتیہ کہنا چاہئے اور تعین ''اسمائے ذاتیہ'' ہی سے وہ فیض اقدس کے ساتھ تجلی کرتا ہے۔ اسمائے ذاتیہ کے لباس اس تجلی کی وجہ سے مقام ''واحدیت'' وحضور اسماء و صفات اور ''مقام الوہیت'' تعین اور ظہور پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ذات مقدس کے بعد "من حيث هي" تین مقام اور تین مشہد اور ہیں:

مقام غیب ''احدی'' اور مقام تجلی بہ ''فیض اقدس'' جس کی طرف شاید حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [4] میں لفظ ''عماء'' سے اشارہ کیا گیا ہے اور مقام ''واحدیت'' جو احدیت جمع کے ساتھ مقام ''اسم اعظم'' ہے اور کثرت تفصیلی کے ساتھ مقام ''اسماء وصفات'' ہے۔ ان مقامات کی تفصیل ان اوراق کے حوصلہ سے باہر ہے۔

اس مقدمہ کے سمجھ لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ "هو" سے مقام فیض اقدس کی طرف اشارہ ہو جو اسماء ذاتیہ کے تعین سے تجلی ذاتی ہے اور ''اللہ'' احدیت جمع اسمائی کے مقام کی طرف اشارہ ہو جو حضرت ''اسم اعظم'' ہے اور ''احد'' مقام احدیت کی طرف اشارہ ہو۔ اس بنا پر آیہ شریفہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ تینوں مقامات، درآنحالیکہ مقام تکثیر اسمائی میں کثرت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے غایت وحدت میں ہیں اور تجلی بہ ''فیض اقدس'' مقام ظہور کے اعتبار سے ''اللہ'' ہے اور مقام بطون کے اعتبار سے، احد۔

---

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱

[2] صفتیں تیرے بارے میں گم ہوگئیں اور اوصاف تیرے سامنے باطل ہو گئے، صحیفہ سجادیہ، دعا، ۳۲

[3] سورہ رحمن: ۲۹

[4] قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حین سئل عنه: این کان ربنا قبل خلق السموات والارض؟: کان فی عماء۔ عوالی اللئالی، ج۱، ص ۵۴، فصل چہارم، حدیث ۷۹

اور شاید ''ھوَ'' مقام ذات کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ ''ھوَ'' غائب کی طرف اشارہ ہے لہٰذا درحقیقت مجہول کی طرف اشارہ ہے اور شاید ''اللہ'' اور ''احد''، ''مقام''، ''واحدیت'' اور مقام ''احدیت'' کی طرف اشارہ ہو۔

پس ذات کی جو مجہول ہے، معرفی فرماتا ہے اسمائے ذاتیہ اور اسمائے واحدیہ ''صفاتیہ'' سے اور درحقیقت اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ذات غیب ہے اور دست امید اس تک پہنچنے سے قاصر ہے اور ذات کے بارے میں تفکر کر کے عمر ضائع کرنا گمراہی کا سبب ہے۔ اہل اللہ جہاں تک معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور ذات الٰہی کے بارے میں صاحبان علم کے علم کی رسائی جس مقام تک ہوسکتی ہے وہ مقام ''واحدیت'' و ''احدیت'' ہے ''واحدیت'' عالم اہل اللہ کے لئے اور ''احدیت'' خالص اہل اللہ کے لئے۔

ایک حکیمانہ تنبیہ

حکماء کی نظر میں حق تعالیٰ کے کچھ ''صفات ثبوتیہ'' ہیں اور کچھ ''صفات سلبیہ'' اور انہوں نے کہا ہے کہ ''صفات سلبیہ'' ''سلب السلب'' کی طرف یعنی ''سلب نقص'' کی طرف پلٹتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''صفات ثبوتیہ'' صفات ''جمال'' ہیں اور ''صفات سلبیہ'' صفات ''جلال'' ہیں اور ''ذوالجلال والاکرام'' صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ دونوں کا جامع ہے۔ یہ کلام ان دونوں ہی مرحلوں میں خلاف تحقیق ہے۔

پہلا مرحلہ: ''صفات سلبیہ'' تحقیق کی بنا پر صفات میں سے نہیں ہیں، بلکہ ذات حق میں نہ سلب کے لئے راہ ہے نہ سلب السلب کے لئے۔ اور حق تعالیٰ اوصاف سلبیہ سے متصف نہیں ہے، کیونکہ سلب اتصاف قضایائے ''معدولہ'' میں سے ہے اور قضیہ معدولہ کو حق تعالیٰ سے مربوط کرنا جائز نہیں، کیوں اس صورت میں اس کے لئے جہات امکانی کو صحیح ماننا پڑے گا اور ذات مقدس میں ترکیب لازم آئے گی، بلکہ اس کے اوصاف سلبیہ، بہ طریق سلب مطلق بسیط ہیں اور سلب مطلق بسیط، سلب صفت ہے، اثبات صفت سلب سلب نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نقائص حق تعالیٰ بہ سلب بسیط مسلوب ہیں، نہ یہ کہ سلب نقائص اس کے لئے بہ طریق ایجاب عدولی ثابت ہے۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ صفات تنزیہ، صفت، نہیں ہیں اور حق تعالیٰ فقط صفات ثبوتیہ سے متصف ہے۔

دوسرا مرحلہ: اہل معرفت کے نزدیک صفات ''جمال'' وہ صفات ہیں جن سے انس اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے اور صفات ''جلال'' وہ صفات ہیں جن سے وحشت و حیرت اور رعب پیدا ہوتا ہے۔ پس جو لطف و رحمت سے متعلق ہیں وہ صفات ''جمال'' ہیں جیسے رحمٰن، رحیم، لطیف، عطوف، رب اور ان جیسے اور جو قہر و کبریا سے متعلق ہیں۔ وہ صفات ''جلال''

ہیں جیسے مالک، ملک، قہار، منتقم اوران جیسے صفات۔ اگر چہ ہر جمال کے سر میں ایک جلال ہوتا ہے، کیونکہ ہر جمال اپنے باطن میں حیرت وخوف رکھتا ہے اور سر عظمت وقدرت کے ساتھ قلب پر ظہور کرتا ہے اور ہر جلال اپنے باطن میں رحمت رکھتا ہے اور قلب کو اس سے باطنی انس ہوتا ہے اور اس وجہ سے دل جس طرح مجذوب جمال وجمیل ہے اسی طرح مجذوب قدرت وعظمت وقادر وعظیم ہے۔لہٰذا صفات کی یہ دونوں ہی انواع ثبوتی ہیں، سلبی نہیں۔

جب یہ مفہوم سمجھ میں آ گیا تو اب معلوم ہو کہ ''اللہ'' اگر چہ اسم اعظم، ہے،صفات، جمال وجلال،جس کی تجلیاں اور اسی کی حدود میں ہیں، لیکن صفات جمال کا اطلاق کبھی صفات ''جلال'' کے مقابل پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ''الٰهیت'' و ''الوہیت'' نوع کے اعتبار سے صفات ''جمال'' کی طرف راجع ہے خصوصاً اگر صفات ''جلال'' کے مقابل واقع ہوں اور آیہ شریفہ "قل هو الله احد" میں ممکن ہے ''احد'' امہات صفات ''جلال'' میں سے کسی کی طرف اشارہ ہو۔ جو بساطت ذات مقدس کا مقام کمال ہے اور ''اللہ'' اسم ''جمال'' کی طرف اشارہ ہو۔

پس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ کی نسبت سے مقام ''احدیت'' و ''واحدیت'' اور تجلی بہ ''فیض اقدس'' کے مطابق کہ یہ تینوں کے تینوں ''اللہ'' کے شئون ہیں۔معرفی ہوئی ہے پہلے احتمال کی بنیاد پر جس کی طرف اس سے پہلے متنبہ کیا جا چکا اور اس احتمال کی بنا پر جو اس تنبیہ میں مذکور ہوا حق تعالیٰ کی نسبت کی معرفی مقام اسمائے جمالیہ وجلالیہ کے مطابق [جو تمام اسماء پر محیط ہیں] کی گئی ہے۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ ہر متکلم کا کلام مقام ظہور کے مطابق اس کے جلوۂ ذات ہوتا ہے اور اس کی لفظی ترکیبات کی استعداد کی مقدار پھر الفاظ کے آئینہ میں اس کے باطنی ملکات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر قلب نورانی وشفاف اور عالم مادیت کی کدورتوں اور آلودگیوں سے صاف ہو تو اس کا کلام بھی نورانی نور ہوگا اور قلب کی وہی نورانیت الفاظ کے لباس میں نمایاں ہوگی۔ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے وارد ہوا ہے۔

كَلَامُكُمْ نُور.[1]

اور وارد ہے،

[1] عیون اخبار الرضا ؑ، ج ۲،ص ۲۷۷، زیارت جامعہ کبیرہ

لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ لِخَلْقِهِ فِي كَلَامِهِ.[۱]

یقیناً خداوند عالم نے اپنے کلام میں اپنے بندوں پر جلوہ کیا ہے۔

اور نہج البلاغہ میں ہے

إِنَّمَا كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْهُ.[۲]

یقیناً اس کا کلام فعل ہے۔

اور فعل بغیر ''کلام'' جلوہ ذات فاعل ہوتا ہے اور اگر قلب ظلمانی اور آلودہ ہو تو اس کا قول و فعل بھی ظلمانی اور آلودہ ہو جائے گا۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَة ...وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَة.[۳]

کلمہ طیبہ کی مثال پاکیزہ درخت کی مثال ہے۔۔۔۔۔اور کلمہ خبیثہ مثل درخت خبیثہ ہے۔

چونکہ ذات مقدس حق تعالیٰ "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ"[۴] کے مطابق اسماء وصفات کے لباس میں سب انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر تجلی کرتی ہے اور ان کے قلوب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے تجلیات بھی تلف ہوتی ہیں اور آسمانی کتابیں، جو نزول وحی کی سفت کے ساتھ امین وحی جناب جبرئیلؑ کے توسط سے ان کے قلوب پر نازل ہوئی ہیں، ان تجلیات کے اختلاف کے مطابق اور اسماء کے اختلاف کے مطابق [جو تجلیات کا مبدا ہیں] مختلف ہیں۔ اسی طرح انبیاءؑ اور ان کی شریعتیں بھی اختلاف دول اسمائی کی وجہ سے مختلف ہیں۔ پس جو اسم زیادہ محیط اور زیادہ جامع ہے اس کی دولت بھی محیط تر اور اس کی تابع بھی محیط تر ہے۔ نیز اس سے نازل ہونے والی کتاب بھی محیط تر اور جامع تر ہے اور اس کی تابع شریعت بھی محیط تر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے اور چونکہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن شریف نیز آنحضرتؐ کی شریعت، مظاہر میں سے ایک مظہر اور جلوہ گاہوں میں سے ایک جلوہ گاہ ہے یا تجلیات وظہورات میں سے ایک تجلی اور ایک ظہور ہے۔ اس لئے وہ مقام جامع احدیٰ اور مقام حضور اسم اللہ الاعظم ہے۔

اس وجہ سے تمام نبوتوں، کتابوں اور شریعتوں میں سب سے زیادہ محیط اور جامع ہے اور اس سے زیادہ اکمل و اشرف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اب کبھی عالم غیب سے بسیط طبیعت و مادیت کی طرف اس سے اعلیٰ تر یا اس جیسا علم

---

[۱] بحار الانوار (ط۔ بیروت)/ ج 89 / 107 / باب 9 فضل التدبر فی القرآن..... ص: 106

[۲] نہج البلاغہ، فیض اسلام، ص ۷۳۷، خطبہ ۲۲۸

[۳] سورہ ابراہیم، آیات ۲۴ تا ۲۶

[۴] سورۂ رحمٰن: ۲۹

نازل ہونے والانہیں ہے، یعنی کمال علم کا آخری ظہور جس کا تعلق شرائع سے ہے، یہی ہے اور عالم ملک میں اس سے بالاتر کے نزول کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اشرف مخلوقات اور اسم اعظم کا مظہر تام ہیں اور ان کی نبوت بھی تمام ممکن نبوتوں میں کامل ترین اور دولت اسم اعظم کی صورت ہے جو ازلی و ابدی ہے اور آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب بھی مرتبہ غیب سے اسم اعظم کی تجلی کے ذریعہ نازل ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب شریف مقام احدیت جمع و تفصیل ہے اور ''جوامع الکلم'' سے ہے[1]

جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام جوامع الکلم سے ہے اور قرآن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے ''جوامع الکلم'' ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ معاشرہ کے لئے کلیات اور ضوابط بیان فرمائے ہیں، اگر چہ ان معنی میں بھی آپؐ کے احادیث جوامع وضوابط میں ہیں، جیسا کہ علم فقہ میں معلوم ہے، بلکہ قرآن وکلام آنحضرتؐ کی جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حیات بشری کے تمام ادوار میں تمام طبقات بشر کے لئے نازل ہوا ہے اور نوع انسان کی تمام ضروریات و احتیاجات کو پورا کرنے والا ہے اور اس نوع کی حقیقت چونکہ حقیقت جامعہ ہے اور منزل اسفل ملکی سے لے کر روحانیت وملکوت و جبروت کے بلندترین مراتب تک تمام مراتب اس میں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس نوع کے افراد اس عالم اسفل ملکی میں کامل (باہمی) اختلافات رکھتے ہیں اور جس قدر تفاوت و اختلاف اس نوع کے افراد میں ہے اس قدر تفاوت و اختلاف موجودات کی کسی نوع کے افراد میں نہیں ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس کا کوئی فرد شقی ہے تو کمال شقاوت اس میں پایا جاتا ہے اور سعید ہے تو کمال سعادت کا حامل ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس کے بعض افراد تمام انواع حیوانیات سے پست تر ہیں اور بعض افراد تمام ملائکہ مقربین سے شریف تر ہیں۔

بالجملہ، چونکہ نوع انسانی کے افراد مدارک و معارف میں مختلف اور متفاوت ہیں اس لئے قرآن اس طور سے نازل ہوا ہے کہ ہر شخص اپنے ادارک معارف کے کمال وضعف کے مطابق اور اپنے درجہ علم کے موافق اس سے استفادہ کر سکے مثلاً آیہ شریفہ ''لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا،''[2] (اگر ان دونوں (آسمان وزمین) میں خدا کے علاوہ اور خدا ہوتے تو یقیناً آسمان وزمین تباہ ہوجاتے۔) سے اہل عرف، اہل ادب اور اہل لغت جب سمجھتے ہیں تو علمائے کلام دوسری طرف سے استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء کسی دوسرے انداز سے اور عرفاء و اولیاء دوسرے طریقہ ہے اہل عرف اس سے اپنے ذوق کے مطابق بیان خطابی سمجھتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک مملکت میں نہیں رہ سکتے اور دو

---

[1] حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے۔ ''وَ اُعۡطِيتُ جَوَامِعَ الۡكَلِمِ'' (الخصال، باب ۵، حدیث ۵۶)

[2] سورہ انبیاء، آیت ۲۲

رئیس ایک قبیلہ اور ایک گروہ میں فساد کا سبب ہوتے ہیں اور ایک دیہات میں دو چوہدریبڑے اختلاف و کشاکش اورنزاع کا سبب ہوتے ہیں اور عالم میں بھی اگر دو خدا ہوں گےتو فساد ونزاع اور اختلاف و افتراق پیدا ہوگا اور جب ایسا اختلاف نہیں ہے اورنظام سمٰوات وارض محفوظ ہےتو یہ دلیل ہے کہ مدبر عالم ایک ہےاور متکلمین اس سے دلیل تمانع کا استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء اس سے یہ حکیمانہ محکم برہان قائم کرتے ہیں کہ "الواحد لا یصدر منه الّا الواحد، و الواحد لا یصدر الّا من الواحد" [1] اوراہل معرفت اس طریقہ سے کہ عالم مراتب ظہور اور تجلی حق کی جلوہ گاہ ہے، دوسرے ہی طریقہ سے وحدانیت کا استفادہ کرتے ہیں۔ الیٰ غیر ذالک طول کے خوف سے باقی لوگوں کے استفادات کا ذکر ترک کیا جاتا ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب معلوم ہو کہ سورہ شریفہ "قُلْ هُوَاللهُ اَحَدٌ"،تمام قرآن کی طرح ''جوامع الکلم'' میں ہے۔ اسی وجہ سے ہر شخص اپنے طور پر اس سے استفادہ کرتا ہے۔ چنانچہ علماء ادب وظاہر نے ضمیر "هو"کوضمیر شان اور''اللہ'' کوعلم ذات اور''احد'' کو''واحد'' کے معنی میں یاوحدت میں مبالغہ سمجھا ہے،یعنی خدا ایک ہے یا الٰہیت میں کوئی شریک نہیں رکھتا۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ. [2]

یا ذاتی الٰہیت میں شریک نہیں رکھتا یا اس کے افعال واحد ہیں،یعنی تمام افعال صلاح واحسان کے مطابق ہیں۔ اپنے لئے کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتا اورخدا''صمد'' ہے،یعنی بڑا سردار ہےجس کی طرف لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے رجوع کرتے ہیں یا''صمد'' ہے،یعنی جوف نہیں رکھتا اورجب جوف نہیں رکھتا تو کوئی چیز اس سے متولد نہیں ہوتی اوروہ خودبھی کسی چیز سے پیدانہیں ہوتا اورکوئی اس کا مثل ونظیر نہیں ہے۔ یہ ایک عامیانہ عرفی بیان ہے کفار کے مقابلہ میں جن کے متعدد خدا تھے اور وہ سارے خدا صفات امکان سے متصف تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوحکم دیا گیا کہ وہ فرمادیں کہ ہمارا خداتمہارے خداؤں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کے ایسے اوصاف ہیں جو مذکور ہوئے۔

یہ اس سورہ کی تفسیر ہےعرف وعادت کے مطابق اور یہ ایک گروہ کے لئے ہے اور یہ تفسیر ان معنی یا معانی سے کوئی منافات نہیں رکھتے جو اس سے زیادہ دقیق ہوں،جیسا کہ ہم نے ان میں سے بعض معانی کا ذکر کیا۔

حکیمانہ تفسیر

---

[1] یہ فلسفہ کا ایک قاعدہ ہے،(الاشارات والتنبیہات،شرح خواجہ نصیر، ج ۳،ص ۱۲۲، الاسفار الاربعہ، ج ۲،ص ۲۰۴،فصل ۱۳)

[2] اس کے مثل کوئی چیز نہیں،(سورہ شوریٰ،آیت ۱۱

سورہ مبارکہ،توحید، کی جو آخر زمانہ کے باریک بینوں کے لئے نازل ہوا، موازین حکمیہ اور براہین فلاسفہ کے مطابق حکیمانہ تفسیر بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جس کا استفادہ میں نے شیخ بزرگوار، عارف شاہ آبادی (مدظلہ)، [1] سے کیا ہے اور وہ یوں ہے:

''ھو'' صرف ''الوجود'' اور ''ہستی مطلق'' کی طرف اشارہ ہے اور یہ ''ھو'' چھ اعلیٰ حکیمانہ مطالب پر برہان ہے جن کو حق تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں ثابت کیا ہے:

اول: مقام، الوہیت، جو استجماع جمیع کمالات اور،احدیت، جمع، جمال وجلال، کا مقام ہے جیسا کہ کتب حکمت میں مناسب مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ، صرف وجود اور ہستی مطلق، صرف کمال ہے۔ ورنہ، (اگر اس میں نقص کا شائبہ ہو گا تو) لازم آئے گا کہ وہ صرف وجود بھی نہ ہو اور چونکہ ان مطالب کے بیان سے گفتگو طولانی ہو جائے گی اور اس کے لئے کئی مقدمات کی ضرورت ہے اس لئے ہم صرف اشارہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔

دوم: مقام، احدیت، جو بساطت تامہ عقلیہ و خارجیہ و ماہویہ وجودیہ کی طرف اور ترکیبات عقلیہ سے تنزہ کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ ترکیبات جنس وفصل ہوں، چاہے مادہ وصورت عقلیہ ہوں یا خارجیہ یا مادہ وصورت خارجیہ یا اجزاءمقداریہ ہوں، ان مطالب پر برہان بھی وہی برہان صرف الوجود وہویت مطلقہ ہے، جو مقام اول کے ذیل میں ذکر ہوا، کیونکہ، صرف اگر احدی الذات نہ ہوگا تو صرف کا صرفیت سے خارج ہونا لازم آئے گا اور وہ اپنی ذاتیت سے الگ ہو جائے گا۔

سوم: مقام ''صمدیت'' جو نفی ماہیت کی طرف اشارہ ہے اور ''جوف'' نہ رکھنے اور ''میان خالی ہونے'' سے بھی ماہیت نہ رکھنے اور ''نقص امکانی نہ رکھنے'' ہی کی طرف اشارہ ہے، چونکہ تمام ممکنات کا مرتبہ ذات جو ان کے لئے بمنزلہ میان و جوف ہے، خالی ہے اور چونکہ ذات مقدس صرف وجود اور ہستی مطلق ہے اس لئے وہ نقص امکانی جس کی اصل ماہیت ہے، نہیں رکھتی، کیونکہ ماہیت حد وجودی سے منتزع ہوتی ہے اور وہ تعین وجود سے عبارت ہے اور صرف الوجود حد وتعین سے مبرا ومنزہ ہے، کیونکہ ہر محدود ایک مقید ہستی اور مخلوط وجود ہے، ہستی مطلق اور صرف وجود نہیں۔

[1]

چہارم: اس سے کوئی شے منفصل نہیں ہوتی، کیونکہ ایک شے سے دوسری شے کا انفصال مستلزم ہے کہ اس کا کوئی ''ہیولیٰ'' بلکہ اجزائے مقداریہ ہوں جو ہویت مطلقہ اور صرافت وجود کے منافی ہے اور، اگر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ تمام موجودات کی علت ہے اور معلول علت سے منفصل ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ) علت سے معلولات کا وجود بہ طریق انفصال نہیں ہے، بلکہ بہ طریق تجلی وظہور و صدور ہے اور یہ ظہور وصدور اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی شے علت سے کم نہیں ہوتی اور اس کی طرف رجوع سے کسی شے کا اضافہ نہیں ہو جاتا۔

پنجم: وہ کسی سے منفصل نہیں ہوتا۔ یہ سابقہ مفسدہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی صرافت و جود اور ہویت مطلقہ سے منافات رکھتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ صرف وجود پر کوئی شے مقدم ہو اور فلسفہ عالیہ میں یہ بات ثابت و مسلم ہو چکی ہے کہ،صرف، اقدم اشیاء ہے اور متعین مطلق سے متاخر ہے۔

ششم: ہمسر و ہمتا اور شبیہ ونظیر نہیں رکھتا۔ یہ بھی برہان،صرف الوجود لا یتکرر، سے ثابت ہے۔ پس دو ہویت مطلقہ متصور نہیں ہوتیں اور مطلق ومقید ایک دوسرے کی نظیر نہیں ہو سکتے۔

ان مطالب میں سے ہر ایک کی توضیح کے لئے مقدمات واصول ہیں جن کو مفصل بیان کرنا اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں ہے۔

حکمت مشرقیہ

معلوم رہے کہ یہ سورہ مبارکہ کمال اختصار کے باوجود تمام شئون الٰہیہ اور تسبیح وتنزیہ کے تمام مراتب پر مشتمل ہے اور درحقیقت الفاظ کے قالب اور عبادات کی ترکیب میں جس قدر ممکن ہے، حق تعالیٰ کی نسبت سے وہ موجود ہے۔ چنانچہ ''ھو اللہ احد'' میں تمام حقائق صفات کمال، بیان ہوئے، ہیں اور یہ جملہ تمام ''صفات ثبوتیہ'' پر مشتمل ہے اور ''صمد'' سے آخر سورہ تک ''صفات تنزیہیہ'' بیان ہوئے ہیں اور سلب نقائص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نیز اس سورہ مبارکہ میں ''حدین''، یعنی حد ''تعطیل'' اور حد ''تشبیہ'' سے خروج کا اثبات کیا گیا ہے، کیونکہ یہ دونوں ہی حد ''اعتدال'' اور حقیقت توحید سے باہر کی چیزیں ہیں۔ پہلی آیہ شریفہ ''نفی تعطیل'' کی طرف اشارہ اور تتمہ سورہ ''نفی تشبیہ'' کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سورہ ذات ''من حیث ھی'' پر اور مقام احدیت پر بھی جو تجلی بہ اسمائے ذاتیہ ہے، مشتمل ہے اور مقام واحدیت پر

بھی مشتمل ہے جو تجلی بہ اسمائے صفاتیہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل جس قدر مناسب حال تھی، بیان ہو چکی۔

تتمیم

شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) نے ابوالبختری، وہب بن وہب قرشی سے روایت کی ہے، انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور امامؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر العلوم علیہ السلام سے، خدائے تعالیٰ کے قول "قل هو الله احد" کے بارے میں، آپؑ نے فرمایا:

''قل''، یعنی جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی اور جس سے تمہیں باخبر کیا اسے حرفوں کی اسی ترکیب کے ساتھ ظاہر کردو جس طرح ہم نے تمہارے لئے قرائت کئے ہیں تا کہ اس سے اس شخص کی ہدایت ہو جائے جو سننے والے کانا اور دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہے اور ''ھوٗ'' اسم ہے کنایہ جو غائب کی طرف اشارہ ہے۔ پس ''ھ'' معنای ثابت کی طرف متنبہ کرتی ہے اور ''وٗ'' اسکی طرف اشارہ ہے جو حواس سے غائب ہے جیسے ''ھذا'' اس کی طرف اشارہ ہے جو حواس کے سامنے حاضر ہو اور غائب کی طرف یہ اشارہ اس لئے ہے کہ کفار نے اپنے خداؤں کے بارے میں وارننگ دی تھی اس حرف کے ذریعہ سے جو شاہد مدرک (حواس کے سامنے آنے اور دریافت ہوجانے والے) کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے کہا: یہ سب ہمارے خدا ہیں جو آنکھوں سے محسوس ہونے اور ادراک میں آجانے والے ہیں۔ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم بھی اپنے خدا کی طرف اشارہ کرو تا کہ ہم اسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں اور اس کے بارے میں متحیر نہ ہوں، خدا تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ (کہو! ''ھوٗ'' پس ''ھ'' ثابت کا اثبات کرتی ہے اور ''وٗ'' سے اشارہ ہے، آنکھوں کے درک اور حواس کے لمس سے غائب، کی طرف اور اس بات کی طرف کہ خدائے تعالیٰ ان سے بالاتر ہے، [1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ'' اس معبود کے معنی میں ہے جس کی حقیقت کا ادراک کرنے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں اور جب کسی چیز کے بارے میں متحیر ہوں اور کسی طرح کا علم اس کے

---

[1] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۱

بارے میں پیدا نہ کرسکیں تو اہل عرب کہتے ہیں ''الہ الرجل''۔ جب کسی چیز سے بچنے کے لئے کہ جو اسے خوف دلائے اور وہ کسی چیز کی پناہ لے تو اس کے لئے کہتے ہیں ''ولہ'' اور جو چیز حواس سے پوشیدہ ہوتو اس چیز کو کہتے ہیں ''لالہ''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''احد'' فرد یکتا ہے اور ''احد'' اور ''واحد'' ایک معنی میں ہیں، یعنی وہ یکتا جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ توحید ''وحدت'' کا اقرار ہے اور وحدت انفراد ہے اور واحد وہ متبائن ہے جو نہ کسی چیز سے منبعث ہوا ہوا ور نہ کسی چیز سے متحد ہو سکے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ عدد کی بنا تو واحد سے ہوئی ہے مگر خود واحد عدد نہیں ہے، کیونکہ عدد واحد کے لئے نہیں بولا جاتا، بلکہ عدد دو سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا قول خدا ''اللہ احد'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ معبود جس کے ادراک سے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں۔ خدائی میں یکتا ہے اور مخلوق کے صفات سے بالا تر ہے، [۱]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے میرے والد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی حدیث بیان کی۔ انہوں نے فرمایا:

صمد وہ ہے جو جوف نہ رکھتا ہو، صمد وہ ہے جس کی سرداری منتہی تک پہنچی ہوئی ہو۔ صمد وہ ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ صمد وہ ہے جو سوتا نہیں۔ صمد وہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے جو ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ [۲]

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ کہا کرتے تھے:

صمد وہ ہے جو قائم بنفسہ اور غنی عن غیرہ (اپنی ذات سے موجود اور اپنے غیر سے بے نیاز) ہو۔

اور کسی اور نے کہا کہ: صمد وہ ہے جو کون وفساد سے بلند تر ہو اور وہ صمد، وہ ہے جو تغایر سے متصف نہ ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

صمد اس عظیم فرد کو کہتے ہیں جس کی اطاعت کی جائے اور اس سے بالا تر کوئی امر و نہی کرنے والا نہ ہو۔

---

[۱] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۲

[۲] معانی الاخبار/ النص/ 7/ باب معنی الصمد..... ص:6

روایت ہے کہ حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام سے ''صمد'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

صمد وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور کسی شے کی حفاظت اس کے لئے مشکل اور دشوار نہیں اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی، [1]

وہب بن وہب قرشی کا بیان ہے کہ زید بن علیؑ نے کہا:

صمد وہ ہے جب وہ کسی چیز کے لئے ارادہ کرے تو کہے کہ ہو جا، پس وہ وجود میں آجائے اور صمد وہ ہے کہ جو چیزوں کو وجود میں لائے تو ان کو ایسی صورت پر پیدا کرے جو ایک دوسرے کی ضد بھی ہیں ہم شکل بھی ہیں اور جوڑا بھی ہیں۔ لیکن وہ خود وحدت کے ساتھ متفرد ہے۔ نہ کوئی اس کی ضد ہے نہ شکل نہ مثل نہ شبیہ [2]

وہب بن وہب حضرت علی بن الحسین علیہ السلام کا ایک کلام بھی ''صمد'' کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا بھی ایک کلام اسرار حروف، الصمد، کے متعلق نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اس علم کے لئے جو مجھے خداوند عالم نے مرحمت فرمایا ہے، مجھے (اس کے اہل اور) حاملین مل جاتے تو، الصمد، ہی کے ذریعہ توحید، اسلام، ایمان، دین اور شرائع کو نشر کرتا۔ ایسا میرے لئے کیونکر ہوسکتا ہے جب میرے جد امیر المومنین علیہ السلام ہی کو حاملان علم نہ مل سکے، یہاں تک کہ درد میں ڈوبی ہوئی آہیں کھینچتے تھے اور برسر منبر فرماتے تھے: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ، یقین جانو کہ میرے سینہ کے اندر بڑا علم ہے۔ آہ آہ! مجھے اس علم کے لئے اہل نہیں ملتے، [3]

---

[1] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۳
[2] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۴
[3] التوحید، ص ۸۸، باب تفسیر، قل ھو اللہ احد، حدیث ۶

خاتمہ

ہم اس مقام کو سورۂ توحید کی فضیلت میں وارد چند احادیث شریفہ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس سورہ مبارکہ کی فضیلت میں اس قدر احادیث ہیں جن کے لئے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔

کافی شریف میں باسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

جو شخص ''قل ھو اللہ احد'' کی تلاوت ایک مرتبہ کرے تو اس کے لئے مبارک ہے اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے تو اس کے اور اس کے اہل کے لئے مبارک ہے اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے تو اس کے اہل اور اس کے ہمسایوں کے لئے مبارک ہے اور جو شخص بارہ مرتبہ پڑھے تو خداوند عالم اس کے لئے جنت میں بارہ قصر تعمیر کرتا ہے تو محافظین جنت کہتے ہیں کہ ہم کو لے چلو اپنے فلاں بھائی کا قصر دیکھیں اور جو شخص سو مرتبہ پڑھتا ہے تو خون اور اموال سے متعلق گناہوں کے علاوہ اس کے پچیس سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو شخص چار سو مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے چار سو ایسے شہیدوں کا ثواب ہے جن کے گھوڑے میدان جہاد میں پے کر دیئے گئے ہوں اور خود ان کا خون بہایا گیا ہو اور جو شخص ایک شب و روز میں ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ اسے اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ خود اپنا مقام جنت میں دیکھ نہ لے۔ یا کسی اور کے ذریعہ اس کا مقام جنت میں دیکھ لیا جائے، [۱]

کافی شریف میں بہ اسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھے تو جب وہ سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتا ہے، خداوند عالم اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیتا ہے، [۲]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ، آپؑ نے فرمایا:

میرے والد بزرگوار فرماتے تھے: قل ھو اللہ احد، ایک ثلث قرآن ہے اور "قل یاایھا

---

[۱] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۱
[۲] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۴

الکافرون" ایک چوتھائی قرآن مجید ہے [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے سعد بن معاذ کی نماز جنازہ پڑھی، اس کے بعد فرمایا: سعد کے جنازہ ستر ہزار ملائکہ نے آ کر نماز پڑھی ہے جن کے درمیان جبرئیلؑ بھی تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا: سعد کس چیز کی وجہ سے تم فرشتوں کی نماز جنازہ کے حقدار قرار پائے؟ کہا: اس وجہ سے کہ یہ اٹھتے بیٹھتے، سوار اور پیادہ، آتے جاتے، ''قل ھو اللہ احد'' پڑھا کرتے تھے، [2]

وسائل میں مجالس سے اور معانی الاخبار میں اپنی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ سے ایک حدیث میں سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا:

جو شخص ایک مرتبہ'' قل ھو اللہ احد'' پڑھے اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے اس نے دو تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے اس نے پورا قرآن مجید پڑھ لیا۔ [3]

ثواب الاعمال میں ہے کہ:

جس شخص پر جمعہ گزر جائے اور اس نے ''قل ھو اللہ احد'' نہ پڑھا ہو اور مرجائے تو وہ دین ابو لہب پر مرتا ہے۔ [4]

مستدرک میں کثیر اور طولانی احادیث اس سورہ مبارکہ کی فضیلت کے بارے میں نقل کی گئی ہیں جو چاہے اس کتاب کا اور وسائل کا مطالعہ کرے، [5] **(والحمد للہ)**

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۷

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۱۳

[3] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۸۶۸، کتاب الصلاۃ، ابواب قرائۃ القرآن، باب ۳۱، حدیث ۵، معانی الاخبار، ص ۲۳۴، باب معنی قول سلمان فارسی

[4] ثواب الاعمال، ص ۱۵۶، ثواب قرئۃ قل ھو اللہ احد، حدیث ۲

[5] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۸۶۶، ۸۷۰، کتاب الصلاۃ، ابواب القرائۃ القرآن، باب ۳۱، ۳۳، مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب قرائۃ القرآن، باب ۲۴، ۲۶

فصل ہفتم

سورہ مبارکہ قدر کی مختصر تفسیر

قولہ تعالیٰ: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١ ....

اس آیہ شریفہ میں مطالب عالیہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ فائدہ سے خالی نہیں:

مطلب اول

خدا نے اس آیہ شریفہ اور بہت سی اور آیات میں تنزیل قرآن کی نسبت اپنی ذات مقدس کی طرف دی ہے چنانچہ فرماتا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ.[1] (ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ.[2] (بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)

ان کے علاوہ اور بھی آیات شریفہ ہیں اور بعض آیات میں جبریل کی طرف جو روح الامین ہیں نسبت دی ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

---

[1] سورہ دخان: ۳

[2] سورۂ حجر: ۹

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ.[1] (روح الامین نے اسے اتارا)۔

علمائے ظاہران مقامات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ "يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا"[2] کی طرح مجاز ہیں۔ تنزیل کی نسبت، مثلاً حق تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے کہ اس کی ذات مقدس ہی سبب تنزیل ہے اور وہی حکم تنزیل دینے والا ہے یا یہ کہ تنزیل حق تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے حقیقت ہے اور چونکہ روح الامین واسطہ ہیں اس لئے مجازاً ان کی طرف بھی تنزیل کی نسبت دیتے ہیں اور یہ اس لئے کہا گیا کہ مخلوق کی طرف فعل حق کی نسبت کو مخلوق کی طرف مخلوق کے فعل کی نسبت کی طرح خیال کیا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی طرف سے جبریل وعزرائیل کو اسی طرح مامور قرار دیتے ہیں جیسے فرعون کی طرف سے ہامان کا مامور اور راج مزدوروں اور معماروں کا ہامان کی طرف سے مامور ہونا اور یہ قیاس مع الفارق ہے اور باطل ہے۔ خلق کی حق کے ساتھ نسبت کو سمجھنا اور فعل خلق وفعل خالق کو سمجھنا اہم معارف الٰہیہ اور بنیادی مسائل فلسفیہ میں سے ہے جس کے سمجھ لینے کے بعد بہت سے اہم مسائل حل ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک جبر وتفویض کا مسئلہ ہے جس کے شعبوں سے ایک شعبہ ہمارا یہ مطلب بھی ہے۔

جان لینا چاہئے کہ علوم عالیہ میں طے اور ثابت ہو چکا ہے کہ تمام دار تحقق اور مراتب وجود، فیض مقدس، کی صورت ہے۔ فیض مقدس جو حق تعالیٰ کی تجلی اشراقی ہے اور جس طرح، اضافہ اشراقیہ، محض ربط اور صرف فقر ہے اسی طرح تعینات وصور بھی محض ربط ہیں اور خود کوئی حیثیت اور استقلال نہیں رکھتے۔ بالفاظ دیگر، تمام دار تحقق حق میں فانی ہیں۔ ذاتی طور سے بھی، صفتی طور پر بھی اور فعلی طور پر بھی، کیونکہ موجودات میں سے کوئی موجود بھی اگر شئون ذاتی میں سے کسی ایک شان کے اعتبار سے بھی استقلال پیدا کر لے گا، چاہے یہ استقلال ہویت وجودیہ میں ہو یا اس کی کسی شان میں، تو حدود امکان سے خارج ہو جائے گا اور وجوب ذاتی میں تبدیل ہو جائے گا اور یہ بدیہی طور پر باطل ہے۔

جب یہ لطیفہ الٰہیہ قلب میں راسخ ہو گیا اور جیسا چاہئے ویسا ذوق پیدا کر لیا تو اس پر اسرار قدر میں سے ایک راز منکشف ہو گا اور، امر بین الامرین، استقلال اور عدم استقلال کے درمیان، کی حقیقت کا ایک لطیف نکتہ کشف ہو گا۔

لہٰذا آثار وافعال کمالیہ کو اسی نسبت کی طرح جیسی خلق کو طرف نسبت دیتے ہیں حق کی طرف بھی نسبت دے سکتے ہیں۔ بغیر اسکے کہ کسی طرف بھی مجاز ہو اور یہ وحدت وکثرت اور جمع بین الامرین کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے۔ ہاں! جو شخص کثرت محض میں پڑا ہوا ہے اور وحدت سے محجوب ہے وہ فعل کی نسبت خلق کی طرف دیتا ہے اور حق سے غافل ہو

---

[1] سورہ شعراء، آیت ۱۹۳

[2] اے ہامان میرے لئے ایک قصر تعمیر کر، (سورہ غافر، آیت ۳۶)

جاتا ہے، جیسے ہم محجوبین، لیکن جس کی دل میں وحدت جلوہ کرتی ہے وہ خلق سے محجوب ہوتا ہے اور تمام افعال کی نسبت حق کی طرف دیتا ہے اور عارف محقق، وحدت و کثرت، کے درمیان جمع کا راستہ پیدا کرتا ہے اور جس وقت وہ مجاز کے شائبہ کے بغیر حق کی طرف نسبت دیتا ہے اسی وقت مجاز کے شائبہ کے بغیر خلق کی طرف فعل کی نسبت دیتا ہے اور آیہ شریفہ، "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"[1] (اور (اے رسولؐ) وہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے جبکہ تو نے پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے) عین اثبات رمی کی حالت میں اس کی نفی کر رہی ہے اور عین نفی میں اثبات کر رہی ہے۔ یہ اسی شیرین ترین مشرب عرفانی اور باریک مسلک ایمانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو ہم نے افعال و آثار کمالیہ کے بارے میں کہا اور نقائص کو خارج کر دیا۔ یہ اس لئے کہ نقائص اعدام کی طرف پلٹتے ہیں اور افعال و آثار کمالیہ، من جملہ تعینات وجود ہیں اور حق کی طرف فقط بالعرض منسوب ہیں۔ اس مبحث کی تفصیل ان اوراق میں نہیں کی جا سکتی ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو "تنزیل" کی نسبت حق تعالیٰ اور جبریل کی طرف "احیاء" کی نسبت حق تعالیٰ اور اسرافیل کی طرف اور "امانت" کی نسبت حق تعالیٰ عزرائیل کی طرف اور ان ملائکہ کی طرف [جو نفوس پر موکل ہیں] بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے اور یہ معارف قرآن میں سے ایک ہے۔ کتاب شریف سے پہلے حکماء و فلاسفہ کے آثار میں کہیں اس کا نام و نشان نہیں ہے اور نوع بشر اس لطیف الٰہی نکتہ کے لئے اس صحیفہ الٰہیہ کی مرہون احسان ہے، جیسے اور تمام دوسرے معارف الٰہیہ قرآنیہ کے احسان مند ہیں۔

مطلب دوم

اس نکتہ کی طرف اشارہ کہ "انا" بھی صیغہ جمع کے ساتھ ہے اور "انزلنا" بھی صیغہ جمع کے ساتھ۔

معلوم ہو کہ اس میں نکتہ حق تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے، اس کتاب شریف کی تنزیل کی مبدئیت کے ساتھ اور شاید صیغہ جمع کا یہ استعمال جمع اسمائی کے لئے ہو اور اس طرف اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ تمام شئون اسمائیہ و صفات کے ساتھ اس کتاب شریف کا مبدا ہے اور اس جہت سے یہ کتاب شریف جمیع اسماء و صفات کی احدیت جمع کی صورت اور مقام مقدس حق کی تمام شئون و تجلیات کے ساتھ معرف ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ صحیفہ نورانیہ، صورت، اسم اعظم ہے، جیسے انسان کامل بھی صورت "اسم اعظم" ہے، بلکہ ان دونوں، صحیفہ الٰہی اور انسان کامل، کی حقیقت عالم غیب میں ایک ہی ہے اور عالم تفرقہ، ظہور و تعین، میں صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ضرور ہو گئے ہیں، لیکن معنوی اعتبار

---

[1] سورۂ انفال: ۱۷

سے پھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ یہ، "لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ"۔[1] (کتاب خدا اور میری عترت ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض،کوثر، کے کنارے میرے پاس وارد ہوں) کے معنی میں سے ایک معنی ہیں اور جس طرح حق تعالیٰ نے آدم اول اور انسان کامل کی طینت کو اپنے جلال و جمال کے ہاتھوں خمیر کیا اسی طرح جلال و جمال کے ہاتھوں کتاب کامل اور قرآن جامع کو نازل کیا اور شاید اسی وجہ سے اس کا ایک نام قرآن ہے۔ کیونکہ مقام احدیت جمع و حدت و کثرت ہے اور اسی لئے یہ کتاب منسوخ و منقطع ہونے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ اسم اعظم اور اس کے مظاہر ازلی و ابدی ہیں اور تمام شریعتیں اسی شریعت و ولایت محمد یہؐ کی دعوت ہیں۔

اور شاید اسی نکتہ کی وجہ سے جو، انا انزلنا، کے بارے میں بیان کیا گیا، انا عرضنا الامانة،[2] بھی صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ امانت باطن کے اعتبار سے حقیقت ولایت ہے اور ظاہر کے اعتبار سے شریعت یا دین اسلام یا قرآن یا نماز ہے۔

مطلب سوم

نزول قرآن کی کیفیت کا اجمالی بیان، یہ ان لطیف لطیف معارف الٰہیہ اور اسرار حقائق دینیہ میں ہے جن پر علمی طریقہ سے کم ہی کوئی تھوڑی بہت اطلاع حاصل کر سکتا ہے اور سوائے اولیائے کاملین کے جن میں اول خود وجود مبارک حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپؐ کے بعد آپؐ ہی کی دستگیری سے دوسرے اولیاء اور اہل معارف مطلع ہوتے ہیں اور کوئی شخص کشف وشہود کے طریقہ سے اس لطیف الٰہی نکتہ کو نہیں پا سکتا، کیونکہ اس حقیقت کا مشاہدہ عالم وحی تک پہنچے بغیر اور عوالم امکانی کے حدود سے نکلے بغیر نہیں ہوتا۔ ہم اس مقام کے بارے میں اشارہ و رمز کے طور پر اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہو کہ وہ قلوب جو سلوک معنوی اور سفر باطنی کے طریقہ پر سیر الی اللہ کرتے ہیں اور نفس کے تاریک مکان اور انیت و انانیت کی منزل سے ہجرت کرتے ہیں وہ کلی طور پر دو طرح کے ہیں:

اول: وہ جو سفر الی اللہ کے تمام ہونے پر موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور اسی جذبہ و فنا وموت کے حال پر

---

[1] حدیث مشہور ومتواتر "ثقلین" کا ایک حصہ ہے کاملا حدیث کے مطالعہ کے رجوع فرمائیں: اصول کافی، ج ۲،ص ۲۹۹، کتاب الحجہ، باب مافرض اللہ ورسولہ من الکون مع الائمۃؑ، حدیث ٦، وج ۴،ص ۱۴۱، کتاب الایمان والکفر ، باب ادنی ما یکون بہ العبد مومناً، حدیث ۱

[2] سورہ احزاب، آیت ۷۲

باقی رہتے ہیں ان کا اجر علی اللہ اور ھو اللہ ہے۔ یہ وہ محبوب ہیں جو ''قباب اللہ'' کے تحت فانی ہو جاتے ہیں اور کوئی انہیں پہچاننے والا نہیں ہوتا اور وہ کسی سے رابطہ پیدا نہیں کرتے اور وہ بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے، انَّ اوْلِیَائِی تَحْتَ قِبَابِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِی.[1]

دوم: وہ ہیں جو سیر الی اللہ وفی اللہ تمام ہونے پر اس قابل ہیں کہ خودی کی طرف پلٹیں اور صحو و ہوشیاری کی حالت ان کو حاصل ہو۔ یہ وہ ہیں کہ فیض اقدس، جو سر قدر، ہے کی تجلی کے مطابق ان کی استعداد مقدر ہو چکی ہے اور وہ بندوں کی تکمیل اور ملک کی تعمیر کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ یہ سب حضرت علمیہ سے اتصال اور حقائق اعیان کی طرف واپسی کے بعد اعیان کی سیر، حضرت اقدس سے ان کے اتصال اور اللہ اور سعادت کی طرف ان کے سفر کا کشف کرتے ہیں۔ اور خلعت نبوت سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کشف ہی عالم وحی جبرائیل میں نزول سے قبل وحی الٰہی ہے اور جب اس عالم سے عوالم نازلہ، ادنیٰ، کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اقلام عالیہ اور الواح قدسیہ میں جو کچھ ہے اس کو اپنے احاطہ علمی اور نشئہ کمال کے بقدر جو حضرات اسماء کے تابع ہے کشف کرتے ہیں اور شریعتوں اور نبوتوں کا اختلاف، بلکہ تمام اختلافات وہیں سے ہیں۔

اس مقام میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس حقیقت غیبی اور سر یرہ قدسی کا مشاہدہ حضرت علمیہ اور اقلام والواح عالیہ میں ہوا ہے وہی حقیقت ان کے غیب نفس اور ان کے سر روح کے طور پر فرشتہ وحی یعنی جبرئیل کے ذریعہ ان کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہے اور کبھی جبرئیل، مثال، کے حضور ان کے لئے، تمثل مثال، اختیار کرتے ہیں اور کبھی تمثل ملکی، پید اکرتے ہیں اور غیب کی کمین گاہ سے، اس حقیقت کے ذریعہ مشہد عالم شہادت تک ظہور کرتے ہیں اور اس الٰہی راز کو اتار لاتے ہیں اور نشئات میں سے ہر نشئہ میں، صاحب وحی کسی بھی طریقہ پر اس کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے: حضرت علمیہ میں ایک طریقہ پر، حضرت اعیان ایک طریقہ پر، حس مشترک میں ایک طریقہ پر اور شہادات مطلقہ میں ایک طریقہ پر اور یہ تنزل کے سات مراتب ہیں۔ شاید قرآن کے، سبعہ احرف، (سات حروف)[2] پر نازل ہونے سے

انہیں سات مراتب کی طرف اشارہ ہو اور یہ بات اس ارشاد سے منافات نہیں رکھتی جس میں کہا گیا ہے: ''اَلْقُرْآنُ عَلَی حَرْفٍ وَاحِدٍ مِنْ عِنْدِ وَاحِدٍ''[3]

---

[1] سر الصلاۃ (مؤلفہ: امام خمینیؒ) متن ۹۶ فصل نہم ص: ۹۴
[2] إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔۔۔، (بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۸۳)
[3] مجمع البحرین۔ ج ۵ ص: ۳۵، اور یہی حدیث لفظوں کے فرق کے ساتھ إِنَّ الْقُرْآنَ وَاحِدٌ نَزَلَ مِنْ عِنْدِ وَاحِدٍ (اصول کافی، ج ۴، ص ۴۳۸، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۱۲)

جیسا کہ معلوم ہے اور اس مقام کی ایک تفصیل ہے جس کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں۔

مطلب چہارم

انزلناہ میں ''ھو'' ضمیر غائب کا رمز ہے جیسا کہ معلوم ہوا، اس عالم میں اترنے سے قبل قرآن کے مقامات اور کینونیات، عالم وجود ظہور، ہیں۔

اول:

اس کی کینونت علمیہ ہے حضور غیبی میں تکلم ذاتی اور مقارعہ ذاتیہ کے ساتھ، بطریق احدیت جمع اور ضمیر غائب شاید اسی مقام کی طرف اشارہ ہوا اور اس معنی کی تفہیم کے لئے ضمیر غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا فرماتا ہے: یہی قرآن جو شب قدر میں اترا، وہی قرآن علمی ہے جو نشئہ علمیہ میں سرّ مکنون وغیبی میں ہے جس کو ان مراتب سے جو ایک مقام میں ذات کے ساتھ متحد اور تجلیات اسمائیہ میں سے تھا، ہم نے نازل کیا اور یہ حقیقت اسی سرّ الٰہی کا ظاہر ہے اور یہ کتاب جو عبارات و الفاظ کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے، مرتبہ ذات میں تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور مرتبہ فعل میں عین تجلی فعلی ہے، جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: **انما کلامہ فعلہ**۔[1]

مطلب پنجم

"**لیلۃ القدر**" کا بیان۔ اس میں بہت سے مباحث اور بے شمار معارف ہیں جن میں سے علماء اعلام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے مشرب و مسلک کے مطابق بحث کی ہے۔ ہم ان اوراق میں کچھ بطور اشارہ بیان کرتے ہیں جن بعض مطالب کا علماء نے ذکر نہیں کیا ہے، ہم ان کی طرف بھی چند امور کے ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

اول: "**لیلۃ القدر**" کی وجہ تسمیہ میں علماء کے درمیان اختلافات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ رات شرف و منزلت والی رات ہے صاحب قدر قرآن، صاحب قدر فرشتے کے توسط سے، صاحب قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، صاحب قدر امت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لئے اسے ''لیلۃ القدر'' کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اسے ''لیلۃ القدر'' اس لئے کہتے ہیں کہ لوگوں کے امور، آجال، (موت) اور ارزاق کی تقدیر اس رات میں ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس

---

[1] یہ عبارت اصل میں یوں ہے: "إِنَّمَا كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْه" بحار الانوار (ط - بیروت) / ج ۴ / ۲۵۵ / باب ۴ جوامع التوحید .....ص: ۲۱۲

رات کثرت ملائکہ سے زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسے،لیلۃ القدر، کہتے ہیں اور وہ "وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ" [1] (اور جو شخص تنگی معاش سے دوچار ہو) کی قبیل سے ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو اس مقام میں کہی گئی ہیں اوران میں سے ہر ایک کے بارے میں تحقیقات کے مقامات ہیں جن کی طرف اجمالی اشارہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

علماء کے بیان فرمودہ مطالب میں پہلا مطلب صاحب منزلت وقدر ہونا ہے، پس معلوم ہو کہ اس مقام میں ایک کلام ہے کہ مطلق زمان و مکان، جن میں بعض شریف اور بعض غیر شریف، بعض سعد اور بعض نحس ہیں، آیا خود ذات زمان اور اس کے ذاتی تشخصات ہیں؟ اور اسی طرح مکان یا یہ کہ واقعات کے وقوع اور امور شریفہ و دنیہ کے حصول کی وجہ سے بالعرض ان میں شرافت وعدم شرافت اور سعادت ونحوست پیدا ہوگئی ہے؟ اور اگر چہ یہ کوئی اہم اور عظیم مبحث نہیں ہے اور اس کے اطراف سے بحث چنداں مفید نہیں ہے پھر بھی ہم اختصار کے ساتھ کچھ ذکر کرتے ہیں۔

احتمال اول کے لئے وجہ ترجیح یہ ہے کہ ان اخبار و آیات کا ظاہر، جن سے زمان و مکان کے لئے شرافت یا نحوست ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ یہ خود زمان و مکان کی صفتیں ہیں۔ اس حال کی صفت نہیں جو ان سے متعلق ہے اور چونکہ کوئی عقلی مانع نہیں اس لئے ان کو ظاہر پر حمل کرنا متعین ہے۔

احتمال دوم کے لئے وجہ ترجیح یہ ہے کہ زمان ومکان کی حقیقت ایک حقیقت، بلکہ ان کی شخصیت بھی ایک ہی شخصیت ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ شخص واحد حکم میں متجزی اور مختلف ہو اس بنا پر شرافت ونحوست زمان ومکان کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسے ان میں واقع ہونے والے وقائع وقضایا پر محمول کرنا ناگزیر ہے۔ یہ وجہ برہانی نہیں ہے، کیوں زمان اگر چہ شخص واحد ہے، لیکن چونکہ تدریجی اور امتدادی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت مقدار یہ ہے تو کوئی مانع نہیں کہ اس کے بعض اجزاء دوسرے بعض اجزاء سے حکم و اثر میں مختلف ہوں اور اس پر کوئی برہان قائم نہیں ہوا کہ ہر شخص جیسا بھی وہ ہے دو حکم اور دو اثر کا حامل نہیں ہوسکتا، بلکہ ظاہر اس کے خلاف ہے۔ مثلاً افراد انسان، مثلاً آنکھ کی پتلی، دماغ اور دل، دوسرے اعضاء سے شریف تر اور لطیف تر ہیں۔ اسی طرح انسان کی ظاہری و باطنی قوتوں میں بعض قوتیں بعض قوتوں سے اشرف ہیں اور یہ اختلاف اس لئے ہے کہ اس عالم میں انسان اگر چہ شخص واحد ہے مگر وحدت تامہ کی صفت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوا ہے، لیکن چونکہ صفت کثرت کے ساتھ ظاہر ہے اس کے احکام بھی (کثیر اور) مختلف ہیں۔

احتمال اول کو ترجیح دینے کی وجہ بھی صحیح اور کوئی دل پسند وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس بات کا مرجع مثلاً ''اصالۃ

---

[1] سورہ طلاق، آیت ۷

الظہور'' اور ''اصالۃ الحقیقۃ'' ہوتا ہے اور علم اصول میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ''اصالۃ الظہور'' اور ''اصالۃ الحقیقۃ'' کی غرض یہ ہے کہ جب مراد و مقصود میں شک واقع ہوتو ان کے ذریعہ وہ شک رفع ہوجائے اور مراد مقصود کا پتہ چل جائے) ایسا نہیں ہے کہ مراد معلوم ہونے کے بعد ان کے ذریعہ اثبات حقیقت کیا جائے، تامل، [1]

اس بنا پر دونوں وجہیں صحیح ہوسکتی ہیں، لیکن ہماری نظر میں دوسری وجہ ارجح ہے۔ اس بنا پر شاید ''لیلۃ القدر'' اس لئے صاحب ''قدر'' ہوئی ہے کہ یہ نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب وصال اور عاشق حقیقی کی اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کی شب ہے۔ سابق مباحث میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تنزل ملائکہ اور نزول وحی، حصول فنا اور قرب حقیقی کے بعد ہوتا ہے اور اخبار کثیرہ اور آیات شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانوں اور مکانوں کا شرف اور نحوست ان میں واقع ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہے اور، روایات کی طرف، رجوع کے بعد یہی (شرف ونحوست کے بارے میں) معلوم ہوتا ہے اگر چہ بعض احادیث سے (زمانوں اور مکانوں کے) شرف ذاتی کا استفادہ بھی ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال: جس کی وجہ سے اسے ''لیلۃ القدر'' کہتے ہیں، یہ ہے کہ اس میں امور ایام مقدر ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم رہے کہ ''قضاوقدر'' کی حقیقت اور اس کی کیفیت اور اس کے مراتب ظہور، شریف وجلیل ترین علوم الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کے انتہائی دقیق اور لطیف ہونے کی وجہ سے ان کے اطراف میں غور وفکر نوع بشر کے لئے ممنوع اور حیرت و گمراہی کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس حقیقت کو اسرار شریعت اور امانات نبوت میں شمار کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں دقیق بحث ومباحثہ سے صرف نظر کرنا چاہئے۔ ہم اس کے ایک مبحث کی طرف، جو اس مقام کے مناسب ہے، اشارہ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ تقدیر اور حق تعالیٰ کے علم میں ازل آزال میں (زوال ازل) ہو چکی اور علم ربوبیت کے ہر نقص سے پاک ومنزہ مقام کی طرف نسبت کے اعتبار سے امور تدریجیہ میں سے نہیں ہے۔ پھر ہر سال ایک معین رات میں تقدیر کے کیا معنی ہیں؟

معلوم ہو کہ ''قضا وقدر'' کے مراتب ہیں۔ ان مراتب کے مطابق انکے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا مرتبہ وہ حقائق ہیں جو حضور علم میں ''فیض اقدس'' کی تجلی سے ظہور اسماء وصفات کی تبعیت میں مقدر ہوتے ہیں اور اس کے بعد اقلام عالیہ اور الواح عالیہ میں، ظہور کے مطابق، تجلی فعلی سے تقدیر وتحکیم ہوتی ہے۔ ان مراتب میں تغییرات و تبدلات واقع نہیں ہوتے اور قضا حتم لا یبدل، نہ بدلنے والا حتمی فیصلہ، وہ حقائق مجردہ ہیں جو حضرات اعیان اور نشئہ علمیہ

[1] وجہ تامل یہ ہے کہ یہاں دوسری طرح سے اس دعویٰ کو بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ یوں کہ محمول کی موضوع کی طرف نسبت دینے پر ظاہر یہ ہے کہ وہ موضوع خود حکم کا حامل ہو اور تمام موضوع لہ ہو جیسا کہ باب الاطلاق میں ہمارے شیخ استاد علوم تقلیدیہ میں مقدمات اطلاق کی احتیاج کے بغیر اس بیان سے اثبات اطلاق کرتے تھے۔

میں واقع ہوتے ہیں اور اقلام و الواح مجردہ میں نزول کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ حقائق برزخی و مثالی صورتوں کے ساتھ دوسرے الواح اور اس سے نچلے عالم میں ظہور کرتے ہیں جو عالم ''خیال منفصل'' اور ''خیال الکل'' ہے کہ حکمائے اشراق کے طریقہ کے مطابق اس عالم کو عالم، مثل معلقہ، کہتے ہیں۔ اس عالم میں تغییرات و اختلافات کا ہونا ممکن ہے، بلکہ واقع ہوتے ہیں اور اس کے بعد تقدیرات اور اندازہ گیریاں عالم طبیعت پر موکل ملائکہ کے توسط سے ہوتی ہیں۔ اس لوح قدر میں دائمی تغییرات اور تبدیلات ہوتے ہیں، بلکہ یہ لوح خود ایک سیال، متصرم اور متدرج صورت ہے اور اس لوح میں شدت وضعف کو قبول کرنے والے حقائق اور سرعت و بطوء اور زیادت ونقص کو قبول کرنے والے حرکات ہیں۔ اسکے باوجود انہیں اشیاء کا، یلی اللہی، رخ اور غیبی رخ جو تدلی بہ حق کی جہت ہے اور ''فیض منبسط'' اور ''ظل ممدوذ'' کے ظہور کی صورت ہے اور ''علم فعلی'' حق کی حقیقت ہے، کسی جہت سے بھی قابل تغییر و تبدیل نہیں۔

وبالجملہ، تمام تغییرات وتبدیلات، زیادی آجال اور تقدیر ارزاق حکماء کے نزدیک لوح ''قدر علمی'' میں جو، عالم مثال ہے اور راقم الحروف کے نزدیک لوح، قدر عینی، میں جو خود محل تقدیرات ہے، اس پر موکل ملائکہ کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔ اس بنا پر یہ تسلیم کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ چونکہ ''لیلۃ القدر'' ''ولی کامل'' کی توجہ تام اور اس کی سلطنت ملکوتیہ کے ظہور کی رات ہے۔ اس لئے ولی کامل، امام ہر عصر اور قطب ہر زماں کے نفس شریف کے توسط سے عالم طبیعت میں تغییرات وتبدیلات واقع ہوتے ہیں۔ آج (ولی کامل، امام عصر اور قطب زمان) حضرت بقیۃ اللہ فی الارضین، سیدنا ومولانا، امامنا وہادینا، حجۃ بن الحسن العسکری ارواحنا لمقدمہ فداء علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، (لہٰذا یہ تبدیلیاں انہیں کے توسط سے ہوتی ہیں)۔ لہٰذا انہیں اختیار ہے کہ عالم طبیعت کی جس حرکت کو چاہیں دھیمی کردیں اور جس حرکت کو چاہیں تیز کردیں اور جس رزق کو چاہیں وسیع کردیں اور جس رزق کو چاہیں تنگ کردیں اور، ولی کامل کا، یہ ارادہ، ارادۂ حق ہے اور ارادۂ ازلیہ کی شعاع اور اس کا سایہ وعکس ہے اور فرامین الٰہیہ کے تابع ہے، جیسا کہ ملائکۃ اللہ بھی خود اپنا کوئی تصرف نہیں رکھتے اور ان کے تمام تصرفات، (اور انہیں کے تصرفات کیا؟) تمام ذرات وجود تصرف الٰہی اور اسی لطیفہ غیبیہ الٰہیہ سے ہیں ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ''[1] (پس ثابت قدم رہو اسی طرح جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے)۔

لیکن دوسرے احتمال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ''لیلۃ القدر'' کی وجہ تسمیہ کے بارے میں، کہو چونکہ زمین ملائکہ کی کثرت سے تنگ ہو جاتی ہے اس لئے اسے ''لیلۃ القدر'' کہتے ہیں۔ یہ وجہ اگر چہ بعید ہے، چاہے اعجوبہ

---

[1] سورہ ہود، آیت ۱۱۲

زماں، خلیل بن احمد رضوان اللہ علیہ، [1] نے بیان فرمائی ہے۔

کیونکہ جو کچھ مورد بحث بن سکتا ہے یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ اصل عالم طبیعت و مادیت سے نہیں۔ پھر ان کی کثرت سے زمین کے تنگ ہونے کا کیا مفہوم ہے؟

معلوم ہو کہ اس مطلب کی نظیر روایت شریفہ میں وارد ہوئی ہے، جیسے سعد بن معاذ کی تشیع جنازہ کا قضیہ، [2]
یا جیسے طالب علم کے لئے ملائکہ کا اپنے پروں کو بچھا دینا، [3]

یہ یا تو ملائکہ کا مثالی صورتیں اختیار کر لینے اور ان کے عالم غیب سے عالم مثال میں نازل ہونے اور مملکت ارض کو تنگ کر دینے کے باب سے ہے یا ملک ارض میں ان کا ملکی صورت اختیار کر لینا ہے۔ اگرچہ ملکی صورت اختیار کر لینے کے باوجود ان کی ملکی صورت کو مادی حیوانی آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں۔ بہر حال زمین کا تنگ ہو جانا مثالی یا ملکی صورتوں کے اعتبار سے ہے۔

دوسرا امر: حقیقت ''لیلۃ القدر'' معلوم ہو کہ ہر باریک نکتہ کی ایک حقیقت اور ہر ملکی صورت کا ایک ملکوتی اور غیبی باطن ہوتا ہے اور اہل معرفت کہتے ہیں کہ حقیقت وجود کے مراتب نزول کو شمس حقیقت کے افق تعینات میں پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے، لیالی، کہتے ہیں اور آفاق تعینات سے شمس حقیقت کے نکلنے کے اعتبار سے اس کے مراتب صعود، ایام، کہلاتے ہیں۔ ایام ولیالی، کی سعادت ونحوست اس بیان سے واضح ہے۔

اور ایک اعتبار سے، قوس نزول، لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قوس صعودی، یوم القیامۃ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، کیونکہ یہ دو قوس ''فیض منبسط'' کے نور کا پھیلاؤ ہیں جو، حقیقت محمدیہ، ہے اور تمام تعینات ''اسم اعظم'' کے تعین اولیٰ سے ہیں۔ پس وحدت کے اعتبار سے عالم شب قدر اور روز قیامت ہے اور یہ ایک شب و روز سے زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح تمام دار تحقق ''لیلۃ القدر'' محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ''یوم القیامۃ'' احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جس شخص میں اس حقیقت کا تحقق ہو جائے وہ

---

[1] خلیل بن احمد بن عمر بن تمیم، ابوعبدالرحمن الباہلی البصری النحوی العروضی، سنہ ۱۰۰ یا ۱۰۵ ہجری قمری میں بصرہ میں ولادت اور سنہ ۱۶۰ یا ۱۷۵ میں وفات ہوئی۔ مشہور ادیب ولغوی اور علم عروض کے موجد، امامی مذہب اور بعض کے قول کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں تھے اور آپؑ سے روایت کرتے ہیں۔ مختلف فنون میں ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں، زبدۃ العروض، العین، امامت کے بارے میں ایک کتاب، الایقاع، النغم، الجمل، الشواہد، النقط والشکل اور اسماء وحروف کے معانی کے بارے میں ایک کتاب، زیادہ تفصیل کے لئے تراجم ورجال کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے جن میں اعیان الشیعہ، ج ۳۰، ص ۵۰ شامل ہے۔

[2] فروع کافی، ج ۳، ص ۲۳۶، کتاب الجنائز، باب المسئلۃ فی القبر، حدیث ۶

[3] معالم الاصول، ص ۷، میں یہ مضمون چند طرق اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

ہمیشہ ''لیلۃ القدر'' اور ''یوم القیامۃ'' میں ہے اور یہ ''شب قدر و یوم قیامت'' باہم جمع ہوجاتی ہیں۔

اور نظر کثرت کے اعتبار سے راتیں اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا بعض راتیں صاحب قدر ہیں اور بعض نہیں ہیں اور تمام راتوں کے درمیان وجود احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جس کے افق میں حقیقت وجود کا نور اپنے تمام شئون و اسماء و صفات سمیت، کمال نوریت و تمام حقیقت کے ساتھ غروب ہوا ہے ''لیلۃ القدر'' مطلق ہے جیسا کہ یوم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم القیامۃ مطلق ہے اور دوسری راتیں اور دن مقید راتیں اور مقید ہیں۔ اس وجود شریف اور قلب مطہر میں قرآن کا نزول ''لیلۃ القدر'' میں قرآن کا نزول ہے۔ لہٰذا قرآن کشف مطلق کلی کے طور پر پورا کا پورا بھی ''لیلۃ القدر'' میں نازل ہوا ہے اور تدریجاً بھی ۲۳ سال میں ''لیلۃ القدر'' میں نازل ہوا ہے۔

اور شیخ عارف شاہ آبادی دام ظلہٗ فرماتے تھے کہ دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''لیلۃ القدر'' ہے اور یہ یا اس اعتبار سے ہے کہ تمام ادوار وجود یہ دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یا اس اعتبار سے ہے کہ اس دور میں اقطاب کاملین محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ معصومین علیہم السلام ''لیالی قدر'' ہیں۔ ہم نے جو احتمال دیا ہے اس پر ایک طولانی حدیث شریف دلالت کرتی ہے جو تفسیر برہان میں کافی شریف سے نقل کی گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ

ایک عیسائی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: اس آیت کی تفسیر باطن کیا ہے؟

"حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ﴿۴﴾" [1]

حا۔ میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی۔ ہم نے اس (کتاب) کو ایک بابرکت رات (شبِ قدر) میں نازل کیا ہے بے شک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے رہے ہیں۔ اس (رات) میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "حٰمٓ"، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور "کتاب مبین"، امیر المومنین علیؑ اور "لیلۃ"، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں، [2]

اور ایک روایت میں ''لیالی عشر'' (دس راتوں) کی تفسیر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ

---

[1] سورہ دخان، آیات، ۱ تا ۴، تفسیر برہان، ج ۴، ص ۱۵۸

[2] اصول کافی، ۲، ص ۳۲۶، کتاب الحجہ، باب مولد النبیؐ، حدیث ۴

معصومین علیہم السلام سے کی گئی ہے۔[1]

یہ مراتب ''لیلۃ القدر'' میں سے ایک ہے جس کا ذکر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے اور یہ اس بات کا شاہد ہے کہ ''لیلۃ القدر'' تمام دورہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

جو روایت تفسیر برہان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اور یہ روایت چونکہ ایک عظیم روایت ہے اور اس میں کئی معارف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اہم اسرار منکشف فرمائے ہیں، اس لئے ہم اسے تبرکاً بعینہ نقل کرتے ہیں:

و عن الشيخ أبي جعفر الطوسی، عن رجاله: عن عبد الله بن عجلان السكونی، قال: سمعت أبا جعفر (عليه السلام) يقول: «بيت علی و فاطمة [من] حجرة رسول الله (صلی الله عليه و آله)، و سقف بيتهم عرش رب العالمين، و فی قعر بيوتهم فرجة مكشوطة إلی العرش معراج الوحی و الملائكة، تنزل عليهم بالوحی صباحا و مساء، و كل ساعة و طرفة عين، و الملائكة لا ينقطع فوجهم، فوج ينزل و فوج يصعد، و إن الله تبارك و تعالی كشف لإبراهيم (عليه السلام) عن السماوات حتی أبصر العرش، و زاد الله فی قوة ناظره، و إن الله زاد فی قوة ناظر محمد و علی و فاطمة و الحسن و الحسين (صلوات الله عليهم)، و كانوا يبصرون العرش، و لا يجدون لبيوتهم سقفا غير العرش، فبيوتهم مسقفة بعرش الرحمن، و معارج الملائكة، و الروح فوج بعد فوج، لا انقطاع لهم، و ما من بيت من بيوت الأئمة منا إلا و فيه معراج الملائكة، لقول الله عز و جل: تَنَزَّلُ الْمَلائِكَةُ وَ الرُّوحُ فِيها بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ * سَلامٌ».

قال: قلت: مِنْ كُلِّ أَمْرٍ؟

قال: «بكل أمر».

فقلت: هذا التنزيل؟

---

[1] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۵۷، سورہ الفجر، حدیث ۱

قال: «نعم».[1]

صاحب تفسیر برہان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شیخ ابوجعفر طوسی سے، ان کے اسناد کے ساتھ، عبداللہ بن عجلان سکونی سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا آپؑ نے فرمایا:

خانہ علی و فاطمہ علیہما السلام، حجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اوران کے گھر کی چھت عرش رب العالمین اوران کے گھر کی انتہا میں ایک شگاف ہے۔ جس سے عرش تک معراج وحی سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے اور ملائکہ صبح وشام اور ہر ساعت اور ہر لحظہ وحی لے کران کے پاس آتے ہیں اور ملائکہ کی فوج کے نزول کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک دستہ آتا ہے اور دوسرا دستہ جاتا ہے۔ یقیناً خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آسمان کے پردوں کو ہٹایا، یہاں تک کہ انہوں نے زمین سے عرش کو دیکھا اور اللہ نے ان کی آنکھوں کی قوت بڑھادی اور یقیناً خدا وند عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی وفاطمہ، الحسن والحسین علیہم السلام کی آنکھوں کی قوت بھی بڑھائی کہ وہ زمین ہی سے عرش کا مشاہدہ فرماتے تھے اور عرش کے علاوہ ان کو اپنے گھروں کی کوئی چھت نظر نہ آتی تھی۔ ان کے گھروں کی چھت عرش رحمن ہے اور ملائکہ وروح کو ان کے گھروں میں معراج ہوتی ہے، من کل امر سلام۔

راوی کہتا ہے میں نے پوچھا: من کل امر سلام؟

فرمایا: بکل امر،

میں نے عرض کیا: یہ اسی طرح نازل ہوا ہے؟

فرمایا: ہاں!

اس حدیث شریف میں تدبر سے اہل معرفت پر معرفت کے دروازے کھلتے ہیں اور حقیقت ولایت اور باطن ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت کا اس سے کچھ کچھ انکشاف ہوتا ہے۔

امر سوم: معلوم ہو کہ جس طرح لیلۃ القدر، کی ایک حقیقت اور ایک باطن ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے لئے عالم طبیعت میں ایک صورت اور مظہر، بلکہ بہت سے مظاہر ہیں اور چونکہ مظاہر کے درمیان نقص وکمال میں فرق ہوسکتا ہے اس لئے تعیین ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں وارد اقوال واخبار کے درمیان جمع کی صورت نکلنا ممکن ہے اور وہ

---

[1] البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۵،ص: ۷۱۴

اس طرح کہ روایات میں جتنی لیالی قدر کا ذکر آیا ہے وہ سب ''لیلۃ القدر'' کے مظاہر ہیں۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ بعض لیالی شرافت وکمال مظہریت میں بعض سے فرق رکھتی ہیں اور وہ عظیم شب جو''لیلۃ القدر'' کا تمام ظہور اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے وصل تام اور خاتمیت کے حصول کامل کی شب ہے، تمام سال میں یا ماہ رمضان المبارک میں یا اس کے آخری عشرہ میں یا تین راتوں میں مخفی ہے اور روایات عامہ و خاصہ میں بھی اختلاف ہے۔ روایات عامہ میں بھی انیسویں، اکیسویں اور تیئیسویں راتوں کے درمیان بطور تردید ذکر کیا گیا ہے اور کبھی اکیسویں اور تیئیسویں شب کے درمیان مردد کیا گیا ہے۔

شہاب بن عبدربہ کا بیان ہے:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں باخبر کیجئے۔

فرمایا: اکیسویں شب اور تیئیسویں شب، [1]

عبدالواحد بن المختار الانصاری کہتے ہیں:

میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: دو راتوں میں ہے، تیئیسویں اور اکیسویں شب۔

میں نے کہا: ان دو میں کسی ایک کو تنہا بیان فرمایئے۔

فرمایا: اگر دونوں راتوں میں اعمال بجالاؤ تو کیا فرق پڑ جائے گا، کیونکہ ان میں سے ایک تو بہرحال شب قدر ہے، [2]۔

حسان بن علی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں پوچھا۔

فرمایا: انیسویں، اکیسویں اور تیئیسویں شب میں تلاش کرو، [3]

اور سید عابد زاہد رضی اللہ عنہ اقبال میں فرماتے ہیں: جان لو! کہ یہ رمضان کی تیئیسویں رات ہے، اخبار صریحہ میں وارد ہوا ہے کہ یہ ''لیلۃ القدر'' ہے بہ مکاشفہ و بیان۔

---

[1] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۵۱۹، نور الثقلین، ج ۵، ص ۶۲۸، سورۃ القدر، حدیث ۷۱

[2] بحار الانوار، ج ۹۵، ص ۱۴۹

[3] مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۵۱۹، وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۶۳، کتاب الصوم، باب ۳۲، حدیث ۲۱

من جملہ ان روایتوں کے ہم اپنے اسناد سے سفیان بن السبط، السمط ۔خ ل، تک روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا، مجھے شب قدر کو بطور مفرد معین کر کے بتایئے۔فرمایا: ''تیئیسویں شب'' اور من جملہ ان روایتوں کے یہ ہے جو ہم اپنے اسناد سے زرارہ تک روایت کرتے ہیں اور وہ عبدالواحد بن المختار الانصاری سے۔

انہوں نے بیان کیا: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں سوال کیا۔

فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں خبر دے رہا ہوں اور تم سے پوشیدہ نہیں رکھ رہا ہوں۔ وہ آخری سات راتوں میں پہلی رات ہے۔ پھر زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: وہ مہینہ جس میں حضرت نے یہ تعیین فرمائی۔ انتیس دن کا تھا، [۱]

اس کے بعد اور روایتیں نقل کی ہیں کہ ''لیلۃ القدر'' تیئیسویں شب ہے۔ ان میں ایک جہنی [۲] کا قضیہ ہے جو مشہور ہے۔

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ ان دوسوروں میں جن کا ذکر کیا جا چکا، کہا گیا اظہر یہ ہے کہ ہر سورہ کی، بسم اللہ، اسی سورہ سے متعلق ہے۔ اس بنا پر سورہ مبارکہ ''قدر'' میں معنی یوں ہوں گے کہ حقیقت شریفہ قرآنیہ اور لطیفہ مقدسہ الٰہیہ کو ہم نے اسم اللہ سے جو جمع اسمائی کی حقیقت اور ربوبیت کا اسم اعظم ہے اور رحمت مطلقہ ''رحمانیہ و رحیمیہ'' سے متعین ہے، لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نازل کیا، یعنی ظہور قرآن ظہور جمعی الٰہیت اور قبض و بسط ''رحمت و رحمانیت'' ہے، بلکہ حقیقت قرآن حضرت اسم اللہ الاعظم کا مقام ظہور ہے۔ظہور ''رحمانیہ و رحیمیت'' کے ساتھ اور جامع جمع وتفصیل ہے۔ اس وجہ سے یہ کتاب شریف قرآن بھی ہے اور، فرقان، بھی، جس طرح حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت اور آپ کا مقام ولایت قرآن بھی ہے اور فرقان بھی اور جو جمع وتفصیل کا مقام ''احدیت'' بھی ہے۔

پس ذات مقدس کا گویا یہ ارشاد ہے: ہم نے مقام اسم اعظم کی تجلی سے جو جمع وتفصیل کا مقام ''احدیت'' ہے

---

[۱] اقبال الاعمال، ص ۲۰۶

[۲] اقبال الاعمال، ص ۲۰۷

رحمت ''رحمانیہ ورحیمیہ'' کے ظہور کے ساتھ، لیلۃ القدر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں قرآن کو نازل کیا اور چونکہ عالم فرق، بلکہ عالم فرق الفرق میں، دونوں قرآنوں، کے درمیان یعنی قرآن مکتوب جو نازل کیا گیا اور وہ قرآن، جس پر قرآن مکتوب نازل گیا، فرقانیت پیدا ہو گئی ہے۔ شب وصال میں ہم نے دونوں قرآنوں کے درمیان وصل اور دونوں فرقانوں کو مجتمع کر دیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ شب ''لیلۃ القدر'' ہے، لیکن اس کی قدر، جیسی چاہئے، بالا صالۃ خود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا جو صاحب ''لیلۃ القدر'' ہیں اور بالتبعیہ ان کے اوصیائے معصومینؑ کے سوا جو ان کے ساتھی ہیں، کوئی نہیں جانتا۔

تتمہ

بعض روایتیں جو ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں:

ان میں وہ روایات ہیں جو عارف باللہ سید ابن طاؤس رضی اللہ عنہ نے کتاب شریف اقبال میں نقل فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں: مجھے کتاب یواقیت، تالیف ابو الفضل بن محمد الہروی، میں چند روایتیں ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں ملیں، یہاں تک کہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: الٰہی میں تیرا تقرب چاہتا ہوں،

ارشاد ہوا: میرا تقرب اس کے لئے جو شب قدر میں بیدار رہو،

موسیٰ نے عرض کی: الٰہی میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں،

فرمایا: میری رحمت اس کے لئے ہے جو فقراء پر شب قدر میں رحم کرے،

عرض کیا: میں صراط سے گزرنا چاہتا ہوں،

فرمایا: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں صدقہ دے،

عرض کی: خدایا، میں بہشت کے درختوں اور اس کے میوؤں کا خواشمند ہوں،

آواز آئی: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں تسبیح کرے،

عرض کی: خدایا! میں نجات چاہتا ہوں،

ندا آئی: آتش جہنم سے نجات؟

عرض کی: ہاں!

فرمایا: یہ اس کے لئے ہے جو شب قدر میں استغفار کرے،

عرض کی: معبود! تیری رضا چاہتا ہوں،

جواب ملا: میری رضا اس کے لئے ہے جو شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھے۔

اسی کتاب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

شب قدر میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو شب قدر میں نماز پڑھے مگر خداوند تعالیٰ اس کے لئے ہر سجدہ کے عوض بہشت میں ایک درخت لکھ دیتا ہے کہ اگر اس کے سائے میں کوئی سوار سو سال تک چلتا رہے تو اس کے سائے کو تمام نہیں کرسکتا اور ہر رکعت ''رکوع'' کے عوض ایک گھر مروارید، یاقوت، زبرجد، اور موتی کا تعمیر کرتا ہے اور ہر آیت کے بدلے جنت کے تاجوں میں سے ایک تاج عطا فرماتا ہے اور تسبیح کے بدلے ایک مرغ بہترین و نفیس اور ہر قعود کے بدلے میں درجات بہشت میں سے ایک درجہ ہر تشہد کے بدلے میں جنت کے کمروں میں سے ایک کمرہ اور ہر سلام کے بدلے میں بہشت کے حلوں میں سے ایک حلہ اور جب صبح کا سفیدہ نمایاں ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایسی باالفت وانس عورتیں، جن کے سینے ان کے لباس سے ابھرے ہوئے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ خوش اخلاق اور تہذیب یافتہ کنیزیں اور ہمیشہ نو عمر رہنے والے غلمان عطا فرماتا ہے اور پاکیزہ طائر، خوشبودار پھول، بہتی ہوئی نہریں، پسندیدہ نعمتیں، تحفے، ہدیے، خلعتیں، کرامتیں، اور جس چیز کی نفس خواہش کرے اور آنکھیں لذت پائیں اور تم سب ان میں ہمیشہ رہو گے۔

اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

جو شخص شب قدر میں بیدار رہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں، چاہے تعداد میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر، وزن میں پہاڑوں کے وزن کے برابر اور مقدار میں دریاؤں کی مقدار کے برابر ہوں [1]

اور حدیثیں ''لیلۃ القدر'' کی فضیلت میں ان اوراق کی گنجائش سے زیادہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲

جملہ کی یہ ترکیب معنی کی تعظیم و تکریم اور حقیقت کی عظمت و اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ خصوصاً متکلم اور

---

[1] بحارالانوار، ج ۹۸، ص ۱۶۸

مخاطب کے لحاظ سے حالانکہ حق تعالیٰ متکلم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں۔ اس کے باوجود مطلب اس قدر باعظمت ہے کہ اس کا اظہار لفظوں کی بندش اور حروف وکلمات کی ترکیب کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''لیلۃ القدر'' کیا باعظمت حقیقت ہے، تم نہیں جانتے ہو۔ اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور حروف وکلمات کا نظم وربط اس حقیقت کو بیان کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے اس کے باوجود کہ لفظ ''ما'' بیان حقیقت کے لئے آتا ہے، اس کے بیان سے صرف نظر کر لیا اور فرمایا: لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، اس کے خواص و آثار سے اس کا تعارف کرایا۔ کیونکہ اس کی حقیقت کا بیان ممکن ہی نہیں ہے۔ اس سے بھی یہ قوی حدس پیدا ہوتا ہے کہ ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت اور اس کا باطن اس کی صورت اور ظاہر کے علاوہ ہے۔ اگر چہ یہ ظاہر بھی اہمیت وعظمت کا حامل ہے، لیکن اس مقام تک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ولی مطلق اور محیط بہ کل عوالم کی نسبت اس ظاہر سے تعبیر کی جائے۔

اگر تم کہو کہ: اس احتمال کی بنا پر جو مذکور ہوا کہ باطن ''لیلۃ القدر'' خود وجود وحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس میں شمس حقیقت اپنے تمام شئون کے ساتھ پوشیدہ ہے، اشکال اور زیادہ قوی ہو جاتا، کیونکہ پھر خود آنحضرتؐ سے نہیں کہا جاسکتا کہ تم نہیں جانتے کہ ''لیلۃ القدر'' جو خود تمہاری ملکی صورت ہے، کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس مطلب کا ایک راز اور اس نکتہ کا ایک باطن ہے، لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ. [1] (اس کے لئے جس کے پاس دل ہو یا حضورِ قلب سے کان لگائے)۔

اے عزیز! یاد رکھو کہ چونکہ حقیقی ''لیلۃ القدر'' یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود یا صورت یا عین ثابت کے باطن میں جلوہ اسم اعظم یا تجلی احدی جمعی الٰہی ہے، اس وجہ سے جب تک عبد سالک الی اللہ، یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجاب میں ہیں۔ اس وقت تک اس باطن اور اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں فرماسکتے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے بارے قرآن شریف میں آیا ہے۔ لَنْ تَرَانِي (یاموسی). [2]

حالانکہ ان کے لئے تجلی ذاتی یا صفاتی ہوئی جس پر آیہ کریمہ، فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا [3] اور دعائے شریف عظیم الشان ''سمات'' کے فقرے دلیل ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے اور اس کا نکتہ بھی یہی ہے کہ: اے موسیٰؑ! جب تک حجاب موسوی اور پردہ خودی میں ہو، مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ مشاہدہ جمال جمیل اس کے لئے ہے کہ جو خودی سے باہر نکل جائے اور جب خودی سے باہر نکل جائے گا تو چشم حق سے دیکھے گا اور چشم حق ہی

[1] سورۂ ق، آیت ۳۷

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳

[3]

خودحق میں ہو جائے گی۔ پس جلوہ اسم اعظم کو جو''لیلۃ القدر'' کی صورکمالیہ ہے،خودی کے پردے میں رہتے ہوئے نہیں دیکھا جاسکتا۔اس لئے اس تحقیق کی بنا پرتعبیر صحیح اور برمحل ہے۔

اوراگرتم یہ کہو کہ:''لیلۃ القدر'' نفس وجود احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت اس میں پوشیدہ ہے خودشمس حقیقت''لیلۃ القدر'' نہیں ہے تو یہ توجیہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ: اہل نظر کی زبان میں کسی شے کی شیئیت اس شے کی صورت کمالیہ سے ہے اور جو اشیاء ذات الاسباب ہوتی ہیں، خصوصاً اگر سبب الٰہی ہیو وہ اس وقت تک نہیں پہچانی جاسکتی ہیں جب تک ان کا سبب نہ پہچان لیاجائے اوراہل معرفت کی نظر سے ظاہر و باطن اورجلوہ و متجلی کی باہمی نسبت دو مفارق چیزوں کی نسبت نہیں ہے۔ بلہ ایک ہی حقیقت ہے جوکبھی جلوہ ظہوری میں آتی ہے،کبھی جلوہ بطونی میں، جیسا کہ ایک مشہور عارف نے کہا ہے ۔

ما عدم ہائیم ہستی ہا نما
تو وجود مطلق و ہستی ما
سب کے سب عدم ہیں ہم،پس دکھاتے ہیں ہستی
تو وجود مطلق ہے، تو ہماری ہستی

یہ عارف رومی کی کہی ہوئی بات کوئی انتہا نہیں رکھتی اوراس سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔

قولہ تعالیٰ: لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ

اگر ہم''لیلۃ القدر'' کو اس کی ظاہری ملکی صورت کے لحاظ سے دیکھیں تو اس کی''خیریت'' ''الف شہر'' یعنی ہزارمہینوں سے ہے، جن میں''لیلۃ القدر'' شامل نہیں ہے یا''لیلۃ القدر'' اوراس میں عبادت و طاعت ان ہزارمہینوں سے بہتر ہےجن میں اسرائیلی ہتھیار بندی کرتے رہے اورراہ خدا میں جہاد کرتے رہے یا یہ کہ''لیلۃ القدر'' بہتر ہے بنی امیہ لعنۃ اللہ علیہم کی سلطنت کے ہزارمہینوں سے، جیسا کہ روایات شریفہ میں ہے، [1]

اور اگر''لیلۃ القدر'' کو اس کی حقیقت کے لحاظ سے دیکھیں تو، الف شہر، ممکن ہے تمام موجودات سے کنایہ ہو۔ اس اعتبار سے کہ، الف، عدد کامل ہے اور، شہر، سے مراد انواع ہے، یعنی وجود شریف محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انسان کامل ہیں ہزار نوع، یعنی تمام موجودات سے بہتر ہیں، جیسا کہ بعض اہل معرفت نے کیا ہے۔

[1] بحار الانوار، ج۹۴، ص ۸، ازمجالس شیخ، تفسیر علی بن ابراہیم، ص ۲۳۷، تفسیر برہان، ج۴، ص ۴۸۶، کافی، روضہ، ص ۲۲۲، حدیث ۲۸۰

راقم الحروف کی نظر میں ایک اور احتمال آیا ہے وہ یہ ہے کہ ''لیلۃ القدر'' ممکن ہے اشارہ ہو مظہر اسم اعظم کی طرف، یعنی مرآت تام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ''ہزار شہر'' سے مراد دوسرے اسماء کا مظہر ہو اور چونکہ حق تعالیٰ کے ایک ہزار ایک اسم ہیں جن میں ایک اسم، مستاثر، علم غیب میں ہے اس جہت سے ''لیلۃ القدر'' بھی مستاثر ہے اور وجود محمدیؐ کی ''لیلۃ القدر'' بھی اس مستاثر ہے۔ اس وجہ سے اسم مستاثر پر سوائے ذات مقدس رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ عرفانی

جاننا چاہئے کہ جس طرح ولی کامل و نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''لیلۃ القدر'' ہیں اس اعتبار سے کہ اسم اعظم آپؐ ہی کا باطن ہے اور حق اپنے تمام شئون کے ساتھ آپؐ ہی کی ذات میں محتجب ہے۔ اسی طرح آپؐ ''یوم القدر'' بھی ہیں، اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت کا ظہور اور اسم جامع کا حضور آپؐ ہی کے افق تعین سے ہے، جیسا کہ ''یوم القیامۃ'' بھی آنحضرتؐ ہی ہیں۔

بالجملہ آپؐ کی ذات مقدس ''شب قدر'' بھی ہے اور ''روزِ قدر'' بھی اور روز قیامت، بھی روز قدر ہے۔ بنابرایں ایک نکتہ کہ تمام مظاہر کی تعبیر ''شہر'' سے اور اس مظہر مقدس تام کی تعبیر ''لیلۃ'' سے کی گئی ہے، شاید یہ ہو کہ شہود و سنین، مہینوں اور برسوں، کا مبدا ''شب و روز'' ہے جیسے ''واحد'' اعداد کا مبدا ہے اور آنحضرتؐ باطن حقیقت یعنی اسم اعظم کے اعتبار سے تمام اسماء کا مبدا ہیں اور اپنے تعین اور عین ثابت کے اعتبار سے اصل شجرۂ طیبہ اور مبدا تعینات ہیں، تدبر **تعرف و اغتنم۔**

قولہ تعالیٰ: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ.

اس آیہ کریمہ میں کچھ مطالب ہیں۔ بطور اجمال ہم ان میں بعض کو بیان کرتے ہیں۔

امر اول: اصناف ملائکۃ اللہ کا ذکر اور ان کی حقیقت کی طرف اجمالی اشارہ

معلوم ہو کہ محدثین و محققین کے درمیان ملائکۃ اللہ کے تجرد اور تجسم کے بارے میں اختلاف ہے۔ تمام حکماء و محققین اور بہت سے محققین فقہاء ان کے اور نفس ناطقہ کے تجرد کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس پر مستحکم براہین قائم کئے ہیں اور بہت سی روایات و آیات شریفہ سے بھی تجرد کا استفادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ محدث محقق مولانا محمد تقی مجلسی، پدر بزرگوار

مرحوم مجلسیؒ نے شرح فقیہ میں بعض روایات کے ذیل میں فرمایا ہے کہ یہ نفس ناطقہ پر دلالت کرتی ہے [۱]

بعض بزرگ محدثین عدم تجرد کے قائل ہیں اور سب سے آخری دلیل جو وہ لاتے ہیں، یہ ہے کہ تجرد کو ماننا منافی شریعت ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ ذات مقدس حق تعالٰی کے علاوہ اور کوئی مجرد نہیں ہے۔ یہ کلام بہت ہی کمزور ہے۔ اس لئے کہ ان کی نظر میں شاہد سب سے اہم دو باتیں ہوں گی:

1: عالم کے حدوث زمانی کا قضیہ، کہ یہ تو ہم پیدا ہوا ہے کہ حق تعالٰی کے علاوہ کسی موجود کا مجرد ہونا اس عالم حدوث زمانی، کے منافی ہے۔

2: حق تعالٰی کا فاعل مختار ہونا کہ گمان پیدا ہوا ہے کہ عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کا مجرد ہونا اس، حق تعالٰی کے فاعل مختار ہونے، کے منافی ہے اور یہ دونوں مسئلے علوم عالیہ کے اہم مسائل مین سے ہیں اور اس طرح کے مسائل کا موجود مجرد کے منافی نہ ہونا واضح ہو چکا ہے، بلکہ نفوس ناطقہ اور عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کو مجرد نہ ماننا سب سے مسائل الٰہیہ اور عقائد حقہ کے منافی ہے جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے اور حدوث زمانی عالم جس طور سے ان لوگوں نے گمان کیا ہے، اصل مسئلہ حدوث زمانی کے منافی ہے۔ مزید یہ ہے کہ بہت سے قواعد الٰہیہ کے بھی منافی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک عقل و نقل کے مطابق حق یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ میں کثیر اصناف ہیں جن میں بہت سے مجرد ہیں، اور بہت سے جسمانی برزخی ہیں، وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ. [۲] (تمہارے رب کے لشکر والوں سے اس کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں)۔

اور تقسیم کلی کے اعتبار سے ان کی صنفیں یہ ہیں کہ علما نے کہا ہے کہ موجودات ملکوتیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق عالم اجسام سے نہیں، نہ تعلق حلولی اور نہ تعلق تدبیری، اور دوسرے وہ جس کا ان دو وجہوں "تعلق حلولی" اور "تعلق تدبیری"، میں سے کسی ایک سے تعلق ہو۔

پہلی قسم دو طرح کی ہے:

ایک وہ قسم ہے جنہیں ملائکہ مھیمہ، کہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو جمال جمیل میں مستغرق اور ذات جلیل میں متحیر ہیں اور دوسرے مخلوقات سے غافل اور دوسرے موجودات کی طرف توجہ نہیں رکھتے۔

---

[۱] من جملہ اور روایتوں کے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس روایت، اذا قبضت الروح فھی مطلۃ فرق الجسد، کے ذیل میں یوں لکھا ہے: و هذا الخبر و الخبر الّذی یجیء بعده و ما ماثلهما من الاخبار الکثیرة و غیرها من الاخبار بالغة حدّ التّواتر و ظواهر الآیات تدلّ علی المعاد الرّوحانی، و هو بقاء النفس بعد خراب البدن. روضۃ المتقین، ج ۱، ص ۴۹۲

[۲] سورہ مدثر، آیت ۳۱

اولیائے خدا میں بھی ایک گروہ ایسا ہی ہے اور جس طرح ہم مادیت کے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور عالم غیب اور ذات ذوالجلال سے، حالانکہ وہ ظاہر بالذات ہے اور ہر ظہور اسی کے ظہور کا پرتو ہے، کلی طور پر غافل ہیں۔ وہ عالم اور جو کچھ عالم میں ہے، سب سے غافل اور حق اور اس کے جمال جمیل میں مشغول ہیں۔ روایت میں ہے کہ خدا کی ایسی مخلوقات بھی ہیں جنہیں نہیں معلوم کہ خدا نے آدمؑ و ابلیس کو خلق فرمایا۔[1]

قسم دوم

قسم وہ ہیں جنہیں خدا نے اپنے طرف سے وسائط رحمت و کرم قرار دیا ہے۔ وہ سلسلہ موجودات کا مبدا اور ان کی غایت شوق ہیں۔ اس گروہ کو ''اہل جبروت'' کہتے ہیں ان کا پیش رو اور رئیس ''روح اعظم'' ہے اور شاید آیہ شریفہ "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ" بھی ملائکۃ اللہ کے اسی گروہ کی طرف اشارہ ہو اور مخصوص طور پر ''روح'' کا ''ذکر'' حالانکہ وہ ''ملائکہ'' میں شامل ہے، اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ چنانچہ آیہ شریفہ "يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا"[2] (جس دن ملائکہ اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور اعتبار سے روح کو ''قلم اعلیٰ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَوَّلُ ما خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَم.[3]

پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم تھا۔

اور ایک اعتبار سے اسے ''عقل اول'' کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے؛

اَوَّلُ ما خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْل.[4]

سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا۔

اور بعض لوگ روح سے، جبرائیل، کو مراد لیتے ہیں اور فلاسفہ جبرئیل کو آخر ملائکہ کروبین سمجھتے ہیں اور ان کو، روح القدس، سمجھتے ہیں اور روح کو اول ملائکہ کروبین جانتے ہیں۔

---

[1] علم الیقین، ج۱، ص ۲۵۰، کافی، روضہ، ص ۲۳۱، حدیث ۳۰۱

[2] سورہ نبا، آیت ۳۸

[3] تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص ۳۸۹، حدیث ۹، علم الیقین، ج۱، ص ۱۵۴

[4] تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص ۳۸۹، حدیث ۹، علم الیقین، ج۱، ص ۱۵۴

روایت شریفہ میں بھی ارشاد ہے کہ، روح اعظم جبرئیل ہے۔ جیسا کہ کافی شریف سے منقول ہے کہ ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا خدا کے قول، **یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی**، کے بارے میں۔ آپؑ نے فرمایا: جبرئیل و میکائیل سے بڑی ایک مخلوق ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی اور اب ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ ہے اور وہ ملکوت میں سے ہے، [1]

اور بعض روایات میں ہے کہ، روح، ملائکہ میں سے نہیں ہے، بلکہ ان سے عظیم تر ہے، [2]

اور شاید قرآن و احادیث کی زبان میں، روح، کے دو اطلاق ہوں جس طرح اہل اصطلاح کی زبان میں کئی اطلاق ہیں، ایک روح اصناف ملائکہ میں ہے، جیسا کہ معصوم نے، فرمایا کہ ملکوت سے ہے اور ایک روح خود حضرات اولیاء کی روح ہے، جو ملائکہ میں سے نہیں اور ان سے عظیم تر ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے، روح، سورہ شریفہ ''قدر'' میں شب قدر میں نازل ہونے کے اعتبار سے، روح الامین، یا روح اعظم سے عبارت ہو اور آیہ شریفہ، **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ** [3] (تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) روح انسانی سے عبارت ہو جو مرتبہ کمال میں جبرئیل اور دیگر ملائکہ سے عظیم تر ہے، بلکہ کبھی مشیت، سے بھی متحد ہو جاتی ہے جو امر مطلق ہے۔

دوسری قسم ملائکۃ اللہ کی وہ ہیں جو موجودات جسمانیہ پر مؤکل اور ان میں مدبر ہیں اور ان کی کثیر صنفیں اور بے شمار گروہ ہیں، کیونکہ ہر علوی یا سفلی، فلکی یا عنصری موجود کے لئے ایک ملکوتی جہت ہے، جس سے وہ عالم ملائکۃ اللہ سے متصل اور جنود حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ ملکوت اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیہ شریفہ میں فرماتا ہے:

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. [4]

پس پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر شے کا ملکوت ہے اور اسی طرف پلٹو گے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت ملائکہ کے بارے میں فرماتے ہیں، جیسا کہ روایت ہے:

أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ مَا فِيهَا مَوْضِعُ قَدَمٍ إِلَّا وَفِيهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ أَوْ

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۱۸، کتاب الحجۃ، باب الروح، التی یسدد وھا اللہ بھا الائمۃ، حدیث ۳

[2] بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۶۴، کتاب الامامۃ، ابواب خلقھم و طینتھم وارواحھم، باب ۳، حدیث ۴۵

[3] سورہ اسراء، آیت ۸۵

[4] سورہ یٰسین، آیت ۸۳

رَاكِعٌ.[۱]

آسمان نے آواز دی ہے اور اسے حق ہے کہ آواز دے، کوئی جائے قدم اس میں نہیں ہے مگر وہاں کوئی فرشتہ حالت سجود یا حالت رکوع میں ہے۔

اور روایات شریف میں کثرت ملائکہ کے بارے میں اور ان کی کثیر صنفوں سے متعلق بہت ذکر آیا ہے،[۲]

امر دوم: ولی امر پر ملائکۃ اللہ کے نزول کی کیفیت

معلوم ہو کہ روح اعظم جو ملائکۃ اللہ کے درمیان مخلوق اعظم ہے، یعنی ملائکۃ اللہ کے مرتبہ اول میں واقع ہے اور ان سب میں اشرف و اعظم ہے اور عالم جبروت کے رہنے والے مجرد ملائکۃ اللہ اپنے مقام سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے لئے ان معنی میں نزول وصعود جو اجسام کے لئے ہے محال ہے۔ کیونکہ مجرد لوازم اجسام سے منزہ ومبرا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا نزول چاہے ولی اللہ کے مرتبہ قلب میں ہو یا مرتبہ صدر میں یا مرتبہ حس مشترک میں ہو یا کسی بقعۂ ارض میں، جیسے کعبہ یا قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد یا بیت المعمور میں ہو، وہ ملکوتی یا ملکی تمثل کے طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ حضرت مریمؑ پر، روح الامین، کے نزول کے بارے میں فرماتا ہے:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا.[۳]

پس انسان کامل کی صورت میں ان پر تجلی کی۔

چنانچہ کامل اولیاء کے لئے بھی تمثل ملکوتی اور تروح جبروتی ممکن ہے۔ پس ملائکۃ اللہ کو تو روح اور ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کے طور پر ملک وملکوت میں داخل ہونے کی قوت وقدر حاصل ہے اور اس معنی کی تصدیق اس شخص کے لئے آسان جو حقائق مجردات کو چاہے مجرد ملکوتی ہوں یا جبروتی اور چاہے نفوس ناطقہ ہوں کہ وہ بھی مجردات جبروتیہ یا ملکوتیہ ہیں، سمجھتا ہو اور مراحل وجود اور ان کے مظاہر اور ظاہر کی باطن سے اور باطن کی ظاہر سے نسبت کا تصور کر چکا ہو۔

اور جاننا چاہئے کہ ''جبروتیین'' و ''ملکوتیین'' کا مثالی صورت اختیار کرنا انسانی قلب وصدر اور حس میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ لباس بشریت سے نکل نہ جائے اور ان عوالم ''جبروت وملکوت'' سے تناسب نہ پیدا کر لے۔

---

[۱] علم الیقین، ج ۱، ص ۲۵۹

[۲] بحار الانوار، ج ۵۶، ص ۱۴۴، کے بعد تک، ابواب الملائکہ

[۳] سورۂ مریم، آیت ۱۷

ورنہ جب تک نفس تدبیرات ملکیہ میں مشتغل اورعوالم سے غافل رہے گا اس وقت تک ان مشاہدات وتمثلات کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہاں ! کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اشارہ پر اس عالم سے صرف نظر حاصل ہو جائے اور بقدر لیاقت عوالم غیب کا کچھ معنوی یا صوری ادراک کر لے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مثلاً بعض ہولناک امور کے واسطہ سے نفس کو مادیت سے انصراف حاصل ہوجائے اور عالم غیب کے کسی نمونہ کا ادراک کر لے، جیسا کہ شیخ الرئیس نے ایک سادہ لوح شخص کا قضیہ نقل کیا ہے،جس نے حج بیت اللہ میں آتش جہنم سے نجات کا پروانہ حاصل کر لیا تھا اور شیخ عارف، محی الدین، ابن عربی، نے بھی ایسا ہی ایک قضیہ نقل کیا ہے۔

یہ بھی عالم ملک سے نفوس کا انصراف وانحراف ہے اور توجہ ملکوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولیائے کاملین کے نفوس عوالم سے جدا ہونے اور روح اعظم یا تمام ملائکۃ اللہ کی قوت نفس کے واسطہ سے مشاہدہ کے بعد ہوش میں آتے ہیں اور حضرات غیب وشہادت کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں تمام نشئات میں، آن واحد میں، حقائق جبروتین کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ولی کامل کی قدرت سے نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ **واللہ العالم۔**

امر سوم: معلوم ہو کہ ''لیلۃ القدر'' چونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی شب مکاشفہ ہے، اس وجہ سے ان کے لئے غیب ملکوت سے تمام ملکی امور کا کشف ہوتا ہے اور امور میں سے ایک ایک امر پر مؤکل ملائکہ ان حضرات کے لئے نشئہ غیب اور عالم قلب پر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام امور جو سال بھر کے عرصہ میں خلائق کے لئے مقدر ہو تے ہیں اور الواح عالیہ وسافلہ میں خط ملکوتی اور غیر مرئی تحریر کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ وہ سب ان پر کشف اور ان کو معلوم ہوجاتے ہیں اور یہ مکاشفہ، مکاشفہ ملکوتیہ ہے جو عالم طبیعت کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے اور امور رعیت میں سے کوئی امر ولی امر پر مخفی نہیں رہتا اور اگر ان کے لئے ایک شب میں ایک سال کا امر اور ایک حال میں زمانے کے تمام امور اور ایک لحظہ میں تمام ملکی وملکوتی مقدرات اور تدریجی طور پر سال کے دنوں میں بھی تمام یومیہ امور اجمال وتفصیل کے طور پر منکشف ہوتے ہیں اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ مثلاً جیسا کہ نزول قرآن کی کیفیت کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ''بیت المعمور'' میں دفعہ واحدہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا ہے،[1] اور بیت المعمور میں ورود بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر نزول ہے۔

بالجملہ، کبھی ولی امر ملائے اعلیٰ اور اقلام عالیہ والواح مجردہ سے متصل ہوتا ہے اور اس کے لئے ازل سے ابد تک تمام موجودات کا مکاشفہ تامہ ہوجاتا ہے اور کبھی الواح سافلہ سے اتصال پیدا ہوتا ہے اور تقدیر شدہ مدت کا کشف حاصل

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۳۷، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۶

کرتا ہے اور تمام صفحہ وجود اس کی بارگاہ ولایت مآبی میں حاضر رہتا ہے اور جو کچھ بھی امور واقع ہوتے ہیں ان حضرات کی نظر سے گزرتے ہیں۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ جملہ اعمال مخلوقات ولی امر کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر جمعرات اور ہر منگل کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی خدمت میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ہر صبح اور بعض میں ہے کہ ہر صبح و شام پیش ہوتے ہیں۔ یہ بھی اجمال وتفصیل اور جمع وتفریق کے اعتبار سے ہے اور اس سلسلہ میں اہل بیت عصمت و طہارت سے روایات شریفہ وارد ہوئی ہیں جو تفسیر برہان اور تفسیر صافی جیسی تفسیروں میں مذکور ہیں،[1]

قولہ تعالیٰ: سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ.

یعنی یہ شب مبارک طلوع تک شیطانی شرور اور آفات و بلیات سے سلامتی ہے یا یہ کہ اولیائے خدا اور اہل اطاعت پر سلام ہے اور یا یہ کہ ملائکۃ اللہ جو ان سے ملاقات کرتے ہیں ان پر سلام کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے طلوع فجر تک۔

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ سابق میں ''لیلۃ القدر'' کی حقیقت کے بیان میں مذکور ہوا، مراتب وجود اور تعینات غیب وشہود کی تعبیر، ان کے افق میں شمس حقیقت کے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے، لیل، سے کی جاتی ہے اور اس بنا پر ''لیلۃ القدر'' وہ رات ہے، جس میں حق تعالیٰ جمع اسماء وصفات کے تمام شئون واحدیت کے مطابق جو اسم اعظم کی حقیقت ہے۔ محتجب ہوتا ہے اور وہ ''لیلۃ القدر'' تعین دوجود ولی کامل ہے جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے بعد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ایک کے بعد ایک رہے ہیں۔ اس بنا پر ''فجر'' لیلۃ القدر وہ وقت ہے جب شمس حقیقت کے آثار حجابات تعینات کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور افق تعینات سے طلوع شمس ''فجر'' یوم القیامہ بھی ہے اور چونکہ ان اولیائے کاملین کے افق تعینات میں شمس حقیقت کے غروب ومخفی ہونے کی مدت سے وقت طلوع فجر تک، مدت لیلہ القدر ہے، لہٰذا وہ صاحب شرف رات شیطانی تصرفات سے مطلقاً محفوظ و سالم ہے اور شمس جس طرح پوشیدہ ہوا ہے اسی طرح کسی شیطانی کدورت وتصرف کے بغیر طالع ہوگا۔ فرمایا ہے: سلام ہے وہ شب، طلوع فجر تک، لیکن اور تمام راتیں یا تو اصلاً

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۳۸، ۳۴۶، ۳۴۷، وتفسیر صافی

سلامتی ہی نہیں رکھتیں اوروہ بنی امیہ اوران جیسوں کی راتیں ہیں اوریا تمام معانی میں سلامتی نہیں رکھتیں اوروہ تمام لوگوں کی راتیں ہیں۔

خاتمہ

بیانات عرفانیہ و مکاشفات ایمانیہ سے جو اولیائے عظام علیہم السلام کی دستگیری سے اہل معرفت کے روشن دلوں پر ظاہر ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورہ مبارکہ توحید، ذات مقدس حق تعالیٰ کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔اسی طرح سورہ شریفہ ''قدر'' اہل بیت علیہم السلام کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔

چنانچہ روایات معراج میں وارد ہوا ہے:

محمد بن يعقوب: عن علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، عن ابن أذينة، عن أبي عبد الله عليه السلام- في صلاة النبي صلى الله عليه وآله وسلم في السماء، في حديث الاسراء- قال عليه السلام: «ثم أوحى الله عز وجل إليه: اقرأ يا محمد نسبة ربك تبارك وتعالى [قُلْ هُوَ] اللَّهُ أَحَدٌ* اللَّهُ الصَّمَدُ* لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ* وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ و هذا في الركعة الأولى، ثم أوحى الله عز و جل إليه: اقرأ بالحمد لله، فقرأها مثل ما قرأ أولا، ثم أوحى [الله عز و جل] إليه: اقرأ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فإنها نسبتك و نسبة أهل بيتك إلى يوم القيامة.»[1]

محمد بن یعقوب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہ اسناد روایت کرتے ہیں کہ حدیث ''اسراء'' میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں فرمایا: تب خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر وحی کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنے پروردگار کا نسب پڑھو: [قُلْ هُوَ] اللَّهُ أَحَدٌ* اللَّهُ الصَّمَدُ* لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ* وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ، اور یہ پہلی دو رکعتیں تھیں۔ پھر خداوند عزوجل نے وحی نازل فرمائی: الحمد للہ پڑھو پس آپ نے اس کو پڑھا اس طرح جس طرح پہلے پڑھا تھا پھر وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ سورۂ قدر (انا انزلناہ) پڑھو۔ پس اس کو تم سے اور تمہارے اہل بیتؑ سے نسبت ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

---

[1] تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۸۷، سورۃ القدر، حدیث ۲۲

سورہ قدر کی فضیلت

سورہ مبارکہ ''قدر'' کی فضیلت کے بارے میں روایات شریفہ بہت ہیں۔من جملہ ان کے وہ روایت ہے جو کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔آپؑ نے فرمایا:

جوشخص بلند آواز سے، اناانزلنا ہ فی لیلۃ القدر، کی تلاوت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے،جس نے اپنے شمشیر راہ خدا میں نیام سے کھینچی ہو اور جوشخص آہستہ قرائت کرے وہ اس شخص کے مثل ہے جو راہ خدا میں اپنے خون میں غلطان ہو اہو اور جوشخص دس مرتبہ پڑھے اس کے گناہوں میں سے ہزار گناہ محوکر دیئے جاتے ہیں،[1]

خواص القرآن سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ:

جوشخص اس سورہ کو قرائت کرے اس کے لئے اس شخص کا اجر ہے،جس نے ماہ مبارک میں روزے رکھے ہوں اور لیلہ القدر، کا ادراک کیا ہو اور اس کے لئے اس شخص کا ثواب ہے،جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو،[2] والحمد للہ اولاً وآخراً۔

اعتذاد

اس کے باوجود کہ راقم الحروف کا ارادہ اس رسالہ کے سلسلہ میں یہ تھا کہ مطالب عرفانی کی غیر مانوس نوع سے احتراز کروں اور فقط نماز کے آداب قلبیہ کے بیان پر اکتفا کروں،لیکن اب دیکھتا ہوں کہ قلم بے قابو ہو گیا اور خاص طور سے تفسیر سورہ شریفہ میں اپنے طے شدہ موضوع سے بیشتر تجاوز کر گیا۔اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ برادران ایمانی اور دوستان روحانی سے معذرت کروں اور ضمناً اگر اس رسالہ میں کوئی بات اپنے مزاج کے مطابق نہ پائیں تو بے تامل ابطال باطل کریں۔اس لئے کہ ہر علم کے لئے کچھ اہل اور ہر راہ کے لئے کچھ راہ نورد ہوتے ہیں۔رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَهُ وَ لَمْ يَتَعَدَّ طَوْرَه.[3] (خدا رحمت کرے اس شخص پر جو اپنی قدر کو پہچانے اور اپنی حد سے آگے قدم نہ

---

[1] اصول کافی، ج ۴،ص ۷۲۴، کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث ۶

[2] تفسیر برہان، ج ۴،ص ۴۸۷،سورۃ القدر، حدیث ۱، ازخواص القرآن

[3] غرر الحکم،فصل ۳،حرف الراء، حدیث ۱

بڑھائے)۔

اور ممکن ہے بعض لوگ حقیقت حال سے غفلت کریں اور چونکہ معارف قرآن اور دقائق سنن الٰہیہ سے بے خبر ہیں، اس رسالہ کے بعض مطالب کو تفسیر بالرائے قرار دیں۔ یہ خطائے محض اور افترائے فاحش ہوگا، کیونکہ:

اولا: یہ معارف ولطائف سب قرآن شریف اوراحادیث شریفہ سے مستفاد ہیں اوران پر شواہد سمعیہ موجود ہیں۔جیسا کہ ان میں بعض کا ذکر مباحث کے ذیل میں کیا گیا اور بیشتر کو اختصار کے خیال سے ترک کر دیا گیا۔

ثانیاً: ان معارف میں اکثر براہین عقلیہ یا عرفانیہ کے موافق ہیں اور ایسے امور تفسیر بالرائے نہیں کہلاتے۔

ثالثاً: زیادہ تر مطالب جو ہم نے بیان کئے ہیں یا آیات شریفہ کے ذیل میں ذکر کئے ہیں، وہ مصادیق مفاہیم کا بیان ہے اور حقائق کے مصادیق ومراتب کا بیان تفسیر ہی سے مربوط نہیں ہے کہ اسے تفسیر بالرائے کہا جا سکے۔

رابعاً: تمام مراحل کے بعد، ہم نے دین میں انتہائی احتیاط کی غرض سے حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی، غیر ضروری مطالب میں ہم نے ،علی سبیل الاحتمال، اور، بیان احد محتملات، کے طور پر مطالب کو بیان کیا ہے اور معلوم ہے کہ احتمال کا دروازہ نہ کسی نے بند ہی کیا ہے اور نہ وہ تفسیر بالرائے سے مربوط ہے اور اس موقع پر اور بھی مطالب ہیں جن کے ذکر سے ہم نے احتراز کیا ہے اور اختصار کی کوشش کی ہے۔

قَالَ الْمَهْدِیُ عَلَیْهِ السَّلَام:

...فَمَآ اَرْغَمُ اَنْفَ الشَّیْطَانِ بِشَیْءٍ مِّثْلَ الصَّلاةِ

فَصَلِّهَا وَ ارْغَمْ اَنْفَ الشَّیْطَانِ۔ [1]

آپؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

نماز کی طرح کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو شیطان کی ناک کو رگڑ دے

پس نماز پڑھو اور شیطان کی ناک کو رگڑ دیا کرو!

---

[1] بحار الانوار: ۵۳/ ۱۸۲

باب پنجم

رکوع کے کچھ آداب و اسرار

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

رکوع سے پہلے تکبیر

ظاہر یہ ہے کہ یہ تکبیر رکوع سے متعلق ہے اور رکوع کے لئے نماز گزار کے مہیا ہونے کی غرض سے ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مقام عظمت وجلال حق اور عزت وسلطنت ربوبیت کو نظر کے سامنے لائے اور عبودیت کے ضعف وعجز اور فقر وذلت کو اپنا نصب العین بنائے۔ اس عز ربوبیت اور عجز عبودیت کی معرفت کے بقدر تکبیر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی توصیف کرے۔

اور بندہ سالک خدا تعالیٰ کی جو توصیف کر رہا ہے اور اس کی تسبیح وتقدیس بجالا رہا ہے وہ محض اطاعت امر اور توصیف وعبادت کے لئے حق تعالیٰ کا اذن حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ ورنہ خود اس کو ایسی جسارت نہ ہونا چاہئے کہ محضر ربوبیت میں اس جیسا کہ بندہ ضعیف جو درحقیقت لاشئ ہے اور جو کچھ اسکے پاس ہے بھی، وہ سب معبود عظم الشان کا ہے، اس توصیف وتعظیم سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنے لگے۔ جس مقام پر حضرت علی بن الحسین علیہما السلام جیسا عبادت گزار، اس ولایت مآبی شیرین زبان کے باوجود، جو دراصل لسان اللہ ہے، أَفَبِلِسَانِي هَذَا الْكَالِّ أَشْكُرُكَ.[1] (کیا اس تھکی ہوئی زبان سے تیرا شکر ادا کروں)۔

[1] مصباح المتہجد، ص ۵۳۴، از دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ

عرض کرر ہا ہوں، وہاں: از پشہ لاغری چہ خیزد،[1] (کمزور سا مچھر کیا اٹھا سکتا ہے)۔

پس جب عبد سالک رکوع کی پر خطر منزل میں وارد ہونا چاہئے۔تو چاہئے کہ پہلے خود کو اس مقام کے لئے تیار کرے اور اپنے ہاتھ سے اپنی توصیف و تعظیم و عبادت و سلوک کو پس پشت ڈال دے، ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کرے، اپنی خالی ہتھیلیوں کو روبقبلہ کرے اور خالی ہاتھ، تہی دست، امید و بیم کی کیفیت سے دوچار دل، تقصیر سے خائف، مقام عبودیت میں قیام سے عاجزی ارومقام مقدس حق سے امید واثق کے ساتھ کہ اس کو یہ اعزاز بخشا کہ ایسے مقامات پر جو خالص اولیا اور کامل احباء کے مقامات ہیں، باریاب کیا۔منزل رکوع میں وارد ہوا اور شاید اس کیفیت کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنا، مقام قیام اور اس حد میں وقوف سے دست برداری کا اظہار ہو اور منزل قیام سے کوئی زاد نہ لینے کی طرف اشارہ ہو اور تکبیر ان توصیفات کی تعظیم اور بڑائی کے لئے ہو جو منزل قیام میں کی ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک رکوع چوں کہ منزل توحید صفات ہے، تکبیر رکوع اسی منزل کی بزرگی و عظمت کا اظہار اور ہاتھوں کو بلند کرنا صفات خلق سے ہاتھ اٹھا لینا ہے۔

---

[1] امثال وحکم، علی اکبر دہخدا، ج 2، ص 579. نام شاعر ذکر نہیں ہوا ہے اور یہ شعر کا دوسرا مصرعہ ہے شعر یوں ہے:

آن جا کہ عقاب پَر بریزد
از پشّہ لاغری چہ خیزد

ترجمہ: یہ وہ مقام ہے جہاں عقاب کے پر بھی شکستہ ہو جایا کرتے ہیں بھلا ایک کمزور سا مچھر کیا کر سکتا ہے۔

فصل دوم

رکوع میں خم ہونے کے آداب

معلوم ہو کہ احوال صلاۃ میں تین حال سب سے اہم ہیں کہ اور تمام افعال و اعمال انہیں کے مقدمات اور انہیں کے لئے تیاریاں ہیں:

اول: ____________ قیام،

دوم: ____________ رکوع،

سوم: ____________ سجود۔

اور اہل معرفت ان تین کو توحیدات ثلاثہ کی طرف اشارہ جانتے ہیں اور ہم نے، سرّ صلاۃ، میں ان مقامات کا ذوق عرفانی کے مطابق ذکر کیا ہے اور یہاں دوسری زبان میں ان منازل کا ذکر کرتے ہیں جو عام ذوق کے مناسب ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ چونکہ نماز مومن کی معراج کمال اور اہل تقویٰ کو حق تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے، لہٰذا اس کا قوام دو چیزوں سے ہے جن میں ایک چیز دوسری چیز کا مقدمہ ہے۔

اول: خود بینی وخودخواہی کو ترک کرنا جو تقویٰ کی حقیقت اور اس کا باطن ہے۔

دوم: خداخواہی وحق طلبی جو حقیقت معراج وحقیقت قرب ہے۔ اور اسی لئے روایات شریفہ میں ہے:

اَلصَّلٰوۃُ قُرْبَانُ کُلِّ تَقِیٍّ.[1]

نماز ہر پرہیز گار کے لئے خدا سے تقرب کا ذریعہ ہے۔

---

[1] فروغ کافی، ج ۳، ص ۲۶۵، کتاب الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ، حدیث ٦

جیسا کہ قرآن مجید بھی نور ہدایت ہے مگر متقین کے لئے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ.[1]

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے۔

وبالجملہ، ان تین مقامات، یعنی قیام ورکوع وسجود میں یہ دو مقامات بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔ حالت ''قیام'' مقام فاعلیت کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور حق تعالیٰ کی فاعلیت وقیومیت مطلقہ کی رویت ہے۔ ''رکوع'' مقام اسماء و صفات کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور مقام اسماء وصفات حق کی رویت ہے اور، سجود، مطلق طور پر خود بینی کا ترک اور مطلق طور پر خدا خواہی وخدا طلبی ہے۔ سالکین کے تمام منازل انہیں تینوں مقامات کے شئون میں سے ہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت اور اصحاب عرفان وسلوک پر واضح ہے۔

اور واجب سالک نے ان مقامات میں اس طرف توجہ کر لی کہ ان اعمال کا سرّ توحیدات ثلاثہ ہیں تو مقامات میں جتنا زیادہ دقیق اور لطیف مقام آتا جائے سالک کو اتنی ہی زیادہ مراقبت ونگرانی کرنا چاہئے اور یقیناً ان مقامات میں خطرہ زیادہ ہے اور لغزش کا امکان زیادہ ہے۔ لہٰذا مقام رکوع میں جب سالک کو یہ دعویٰ ہے کہ دار وجود میں علم قدرت اور حیات وارادہ بس حق تعالیٰ کا ہے اور یہ دعویٰ بہت بڑا اور یہ مقام بہت دقیق ہے اور ہم جیسے لوگ ایسے دعوؤں کی اہلیت نہیں رکھتے تو باطن ذات میں بھی ہمیں حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں تضرع ومسکنت اور عجز وذلت کے ساتھ حاضری دینا چاہئے، اپنے قصور وتقصیر کے لئے معذرت خواہ ہونا چاہئے اور اپنی کوتاہیوں کو بصیرت کی آنکھوں اور وجدان کے مشاہدہ سے معلوم کرنا چاہئے، شاید مقام مقدس سے توجہ وعنایت ہو اور ہماری حالت اضطرار ذات مقدس کی طرف سے دستگیری کے اسباب فراہم کردے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ[2]

کون ہے جو مضطر وبے قرار کی دعا وپکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

---

[1] سورۂ بقرہ:۲

[2] سورۂ نمل:۶۲

فصل سوم:

صلاۃ المعراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلاۃ معراج کے بارے میں وارد ہے کہ رکوع کے بعد رب العزت کی طرف سے خطاب ہوا:

فَانْظُرْ الی عَرْشی. قالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ: فَنَظَرْتُ الی عَظَمَةٍ ذَهَبَتْ لَها نَفْسی و غُشِيَ عَلَيَّ فَاُلْهِمْتُ انْ قُلْتُ: «سُبْحانَ رَبِّيَ الْعَظيمِ وَ بِحَمْدِه» لِعِظَمِ ما رَأَيْتُ. فَلَمّا قُلْتُ ذلِكَ، تَجَلَّى الْغَشْيُ عَنّي حَتّی قُلْتُها سَبْعاً اُلْهِمَ ذلِكَ فَرَجَعْتُ الی نَفْسی کَما کانَت.[1]

عرش کی طرف دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس میں نے ایک عظمت کی طرف دیکھا جس سے میری جان سی نکل گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ تب اس عظمت کے دیکھنے کے بعد مجھ پر الہام ہوا اور میں نے کہا: سبحان ربی العظیم و بحمدہ (منزہ ہے میرا پروردگار بزرگ اور حمد اسی کے لئے ہے) جب میں نے یہ کہا تو غشی کی حالت سے افاقہ ہوا یہاں تک کہ پے در پے الہامات کی وجہ سے میں نے سات مرتبہ یہی کہا۔ پس میں ہوش میں آ گیا اور اپنے حال پر واپس آ گیا۔

انسان کے عدد کے موافق کہنے کے بعد ہوش آیا اور حالت صحو پیدا ہوئی اور یہ احوال پوری صلاۃ معراج

---

[1] علل الشرائع، ص ۳۱۵، حدیث صلاۃ معراج کا ایک ٹکڑا

میں باقی رہے۔

اوراب جب کہ خلوت انس میں جانے کی کوئی راہ نہیں اور مقام قدس میں جائے گاہ نہیں۔ بہتر ہے کہ اپنی ذلت و عاجزی کو مقصد تک پہنچنے کا سرمایہ اور حصول مطلوب کی دستاویز قرار دیں اور دامن مقصود سے ہاتھ نہ اٹھائیں تاکہ مراد دلی پائیں اور کم سے کم اگر خود اس میدان کے مرد نہیں ہیں تو جو شاید معارف کی خوشبو کا کوئی لپکا مشام جاں تک پہنچ جائے اور لطائف کی نسیم کا کوئی جھونکا ہمارے پیکر بے روح میں جان ڈال دے، کیونکہ حق تعالیٰ کی عادت احسان اور اس کا طریقہ تفضّل و انعام ہے، [1]

اور یاد رکھنا چاہئے کہ رکوع حق تعالیٰ کی، تسبیح، تعظیم اور تحمید، پر مشتمل ہے۔ پس، تسبیح، توصیف سے تنزیہ اور تعریف سے تقدیس ہے یعنی نہ اس کی صفت بیان کی جاسکتی ہے نہ تعریف کی جاسکتی ہے، اور تعظیم و تحمید، حد تشبیہ و تعطیل سے باہر ہونا ہے، کیونکہ تحمید، خلقی آئینوں میں ظہور کا مفہوم بتاتی ہے اور تعظیم سلب تحدید کو دکھاتی ہے۔ پس وہ ظاہر ہے اور عالم میں کوئی ظہور اس سے زیادہ ظاہر نہیں ہے، لیکن وہ خلقی تعینات سے بھی متلبس نہیں ہے۔

---

[1] اذا من عادتہ الاحسان و من شیمتہ التفضّل

فصل چہارم

حقیقی رکوع

عَنْ مِصْباحِ الشريعَةِ, قالَ الصّادِقُ عَلَيْهِ السَّلام: لا يَرْكَعُ عَبْدٌ لِلّٰهِ رُكُوعاً عَلَى الْحَقيقَةِ, الّا زَيَّنَهُ اللّٰه تَعالى بِنُورِ بَهائِهِ وَ اظَلَّهُ فى ظِلالِ كِبْرِيائِهِ وَ كَساهُ كِسْوَةَ اَصْفِيائِهِ.

وَ الرُّكُوعُ اَوَّلٌ وَ السُّجُودُ ثانٍ, فَمَنْ اَتى بِمَعْنَى الْاَوَّلِ صَلُحَ لِلثّانى.

وَفِى الرُّكُوعِ اَدَبٌ وَفِى السُّجُودِ قُرْبٌ, وَمَنْ لا يُحْسِنُ الْاَدَبَ لا يَصْلَحُ لِلْقُرْبِ.

فَارْكَعْ رُكوعَ خاضِعٍ لِلّٰه بِقَلْبِهِ مُتَذَلِّلٍ وَجِلٍ تَحْتَ سُلْطانِهِ, خافِضٍ لَهُ بِجَوارِحِهِ خَفْضَ خائِفٍ حَزِنٍ عَلى ما يَفُوتُهُ مِنْ فائِدَةِ الرّاكِعينَ.

وَ حُكِيَ انَّ الرَّبيعَ ابْنَ خُثَيْمٍ كانَ يَسْهَرُ بِاللَّيْلِ الَى الْفَجْرِ فى رَكْعَةٍ واحِدَةٍ, فَاِذا هُوَ اَصْبَحَ رَفَعَ [خ ل: تَزَفَّرَ] وَ قالَ: آه, سَبَقَ الْمُخْلِصُونَ وَ قُطِعَ بِنا.

وَ اسْتَوْفِ رُكُوعَكَ بِاسْتِواءِ ظَهْرِكَ, وَ انْحَطَّ عَنْ هِمَّتِكَ فِى الْقِيامِ بِخِدْمَتِهِ اِلّا بِعَوْنِهِ, وَ فِرَّ بِالْقَلْبِ مِنْ وَساوِسِ الشَّيْطانِ وَ خَدائِعِهِ وَ مَكائِدِهِ, فَاِنَّ اللّٰه تَعالى يَرْفَعُ عِبادَهُ بِقَدْرِ تَواضُعِهِمْ لَهُ وَ يَهْديهِمْ اِلى اُصُولِ التَّواضُعِ وَ الْخُضُوعِ بِقَدْرِ

اطّلاع عَظمَتِهِ عَلی سَرائِرِهم. [1]

کوئی بندہ خدا کے لئے حقیقی رکوع نہیں کرتا مگر خدا اس کو اپنے نور جمال سے آراستہ کرتا ہے اور اپنی کبریائی کے سائے میں جگہ دیتا ہے اور برگزیدہ بندوں کا لباس پہناتا ہے۔

رکوع پہلا ہے اور سجود دوسرا۔ جو شخص پہلے کی حقیقت بجالائے گا دوسرے کی اہلیت پیدا کرلے گا۔

رکوع میں ادب،عبودیت، ہے اور سجود میں،معبود سے،قرب اور جو شخص اچھی طرح ادب نہ بجالائے وہ قرب کے لائق نہیں۔ لہٰذا اس شخص کی طرح رکوع ادا کرو جو خدا کے لئے خاضع دل کے ساتھ اور اس کی سلطنت کے ماتحت ذلیل و خائف ہے اور اپنے اعضاء کو اس خوف سے کہ رکوع کرنے والوں کے فائدے سے محروم گیا ہے رنجیدہ رہتا ہے۔

حکایت کی ہے کہ ربیع بن خثیم ایک رکوع میں شب کو صبح کر دیتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو قیام کرتے تھے (نالہ کرتے تھے) اور کہتے تھے: آہ! مخلصین آگے بڑ گئے اور ہم راستہ میں پڑے رہ گئے، اور اپنے رکوع کو مکمل کرو۔

اس طرح کہ اپنی پشت سیدھی رکھو اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ اپنی ہمت سے اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو، کیونکہ اس کی روکے بغیرہ (یہ حاصل نہیں ہوسکتا) اور دل سے شیطانی وسوسوں اور فریب کاریوں سے دور بھاگو، کیونکہ خدا اپنے بندوں کا مرتبہ ان کی تواضع کے مطابق بلند کرتا ہے اور جس قدر بندوں کے باطن پر اس کی عظمت آشکار ہوتی ہے اسی قدر فروتنی اور انکساری کی راہیں (اپنے مقابل) ان کو دکھاتا ہے۔

اس حدیث شریف میں اشارات و بشارات اور آداب و دستورات ہیں۔ چنانچہ نور بہاء اللہ سے تزین اللہ کی زیبائی کے نور سے خود کو زینت دینا اللہ کی کبریائی کے سایوں میں رہنا، اللہ کے منتخب بندوں جیسا لباس پہننا، تعلم اسمائی اور، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا [2] (اور اس (اللہ) نے آدم کو (تمام چیزوں کے) نام سکھائے۔) کے مقام تک پہنچنے کی بشارتیں ہیں اور مقام فنائے صفاتی میں تحقق اور اس مقام سے حالت صحو کا حصول ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا بندہ کو مقام، نور

[1] مصباح الشریعہ، ص ۱۲، بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۱۰۸

[2] سورۂ بقرہ: ۳۱

بہاء، سے مزین کرنا اس کو مقام اسماء پر متحقق کرنا ہے جو آدمی کی تعلیم کی حقیقت ہے اور اس کو سایہ کبریا جو اسمائے قہریہ میں ہے، میں لے جانا اور اس میں فنا کے لئے جگہ دینا، خود سے بندہ کو فنا کرنا ہے اور اس مقام کے بعد اس کو ''کسوہ اصفیاء'' میں داخل کرنا، فنا کے بعد اس کو بقا عطا کرنا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا کہ سجود فنائے ذاتی ہے جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے، کیونکہ رکوع اول ہے اور وہ یہ مقامات ہیں اور سجود ثانی ہے اور وہ سوائے ذات میں فنا کے اور کچھ نہیں۔

اس مقام پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرب مطلق جو سجود میں حاصل ہوتا ہے، حقیقی رکوع کے حصول کے بغیر میسر نہیں ہے اور جو شخص ثانی کے لئے صلاحیت پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ قرب رکوعی اور ادب رکوع حاصل کرے۔

رکوع و سجود کے لطائف و اسرار بیان کرنے کے بعد متوسطین کے لئے ان کے آداب قلبیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن میں بعض عام ہیں اور ہم مقدمات میں ذکر کر چکے ہیں اور بعض رکوع کے ساتھ خاص ہیں اور چونکہ ان امور میں سے اکثر بیان ہو چکے ہیں اس لئے ان کی تفصیل سے ہم صرف نظر کر رہے ہیں۔

فصل پنجم

رکوع سے سر اٹھانے کا ذکر

رکوع سے سر اٹھانے کا راز کثرت اسمائیہ میں وقوف سے واپسی ہے۔ چنانچہ مولا علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

كَمَالُ التَّوْحِيدِ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْه.[1]

کمالِ توحید یہ ہے کہ اس کی ذات سے صفات کی نفی کی جائے۔

کیونکہ فنائے اسمائی سے صحو کی حالت حاصل ہونے کے بعد عبد سالک اپنے قصور اور تقصیر کا مشاہدہ کرتا ہے، کیونکہ آدم کی خطا کا مبدا جن کی تلافی ان کی ذریت کو کرنا چاہئے، کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے جو باطن شجرہ ہے اور جب اپنی خطا جو ذریت ہے اور آدم کی خطا کہ اصل خود ہے، معلوم کر لی تو اپنے نقص اور کوتاہی کی طرف توجہ رکھتا ہے اور رفع خطا کی تیاری کرتا ہے جو بارگاہ کبریا میں عاجزی کا اظہار ہے اور اپنے صلب، کمر، کو اس مقام پر سیدھا کرتا ہے اور رکوع کے بعد تکبیر کے ذریعہ کثرات اسمائیہ کو رفع کرتا ہے اور خالی ہاتھ منزل ذلت و مسکنت اور اصل ترابیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے اہم آداب، اس مقام کے بڑے خطرے کا احساس کرنا، قلب کو تذکر تام کے ذائقہ سے آشنا کرنا، حضور ذات کی طرف توجہ اور اپنے سے ترک توجہ میں اپنی ذلت کی حد تک مجاہدہ کرنا ہے۔

اور اے عزیز! یاد رہے کہ حضرت حق کا تذکر تام اور باطن قلب سے اس ذات مقدس کی طرف توجہ مطلق ہو تو قلب کی باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں جس سے بقائے الٰہی جو اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط [2]

جو لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

---

[1] التوحید (للصدوق) / 57 / 2 باب التوحید ونفی التشبیہ، بحار الانوار (ط۔بیروت) / ج 4 / 285 / باب 4 جوامع التوحید ..... ص 212:

[2] سورہ عنکبوت، آیت ۶۹

قَالَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام:

اَلسُّجُودُ مُنْتَهَى الْعِبَادَةِ مِنْ بَنِي آدَمَ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

سجدہ، انسانی عبادت کی معراج ہے۔

[1] میزان الحکمۃ: ۲۳۸۰، ح ۸۲۷۲

باب ششم

اسرار و آداب سجود کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

سجود کا مجموعی راز

اصحاب عرفان اورارباب قلوب کے نزدیک، سجدہ، خود کو ترک کرنا، ماسویٰ اللہ سے بغیر کسی حجاب کو دیکھے،آنکھیں بند کر لینا اوراپنی اصل کی طرف توجہ کرتے ہوئے معراج یونسی جوبطن ماہی میں چلے جانے سے حاصل ہوئی،متحقق ہونا ہےاورسرکو خاک پر رکھنا، باطن قلب خاک اوراصل عالم طبیعت میں جمال جمیل کی رویت کی طرف اشارہ ہے۔

سجدہ کےقلبی آداب،اپنی حقیقت اوراپنے وجود کی اصل کا ادراک کرلینا اورمرکز دماغ کو جو سلطان نفس کا مرکز اورروح کا عرش ہے،مقام قدس کےسب سے نچلے زینہ پر رکھنا اورعالم خاک کو مالک الملک کی دہلیز سمجھنا ہے۔

لہٰذا سجود کی وضع کا راز خودی (کی آلودگی) سے آنکھوں کو دھو لینا ہے اورخاک پرسر رکھنے کی وضع کا ادب اپنے اعلیٰ مقامات کونظروں سے گرادینا اور خاک سے بھی پست سمجھنا ہے اور اگر قلب میں ان دعووں کے بارے میں جن کی طرف نماز کے مختلف اوضاع کے ذریعہ اشارہ کیا جاتا ہے،کوئی کھوٹ ہوتو ارباب معرفت کی نظر میں یہ نفاق ہے اور چونکہ یہ مقام تمام مقامات سے زیادہ پُرخطر ہے اس لئے سالک الی اللہ کولازم ہے کہ جبلت ذاتی اورفطرت قلبی کے ساتھ حق تعالیٰ کے دامن عنایت سے متمسک ہوجائے اورذلت ومسکنت کے ساتھ تقصیرات کی معافی مانگے کہ یہ ایک پُرخطر مقام ہے جو ہمارے جیسے لوگوں کی طاقت سے باہر ہے۔

اورہم نے چونکہ رسالہ،سر الصلاۃ، میں ان مقامات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس لئے اس رسالہ میں تفصیل کو چھوڑتے ہیں اوران کے آداب سے متعلق مصباح الشریعہ کی روایت شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم

سجدہ کے اسرار و آداب

عَنْ مِصباحِ الشَّريعَةِ قالَ الصّادِقُ عَلَيْهِ السَّلام: ما خَسِرَ وَ اللّٰه مَنْ اتى بِحَقيقَةِ السُّجُودِ وَ لَوْ كانَ فى الْعُمْرِ مَرَّةً واحِدَةً. وَ ما افْلَحَ مَنْ خَلا بِرَبِّهِ فى مِثْلِ ذٰلِكَ الْحالِ تَشْبيهاً بِمُخادِعٍ نَفْسَه غافِلًا لاهِياً عَمّا اعَدَّهُ اللّٰه لِلسّاجِدينَ مِنْ انْسِ العاجِلِ وَ راحَةِ الْآجِلِ. وَ لا بَعُدَ عَنِ اللّٰه ابَداً مَنْ احْسَنَ تَقَرُّبَهُ فى السُّجُودِ.

وَ لا قَرُبَ الَيْهِ ابَداً مَنْ اساءَ ادَبَهُ وَ ضَيَّعَ حُرْمَتَهُ بِتَعَلُّقِ قَلْبِه بِسِواهُ فى حالِ سُجُودِهِ.

فَاسْجُدْ سُجُودَ مُتَواضِعٍ لِلّٰه تَعالى ذَليلٍ، عَلِمَ انَّهُ خُلِقَ مِنْ تُرابٍ يَطَأُهُ الْخَلْقُ.

وَ انَّهُ اتَّخَذَكَ مِنْ نُطْفَةٍ يَسْتَقْذِرُها كُلُّ احَدٍ، وَ كُوِّنَ وَلَمْ يَكُنْ.

وَ قَدْ جَعَلَ اللّٰه مَعْنَى السُّجُودِ سَبَبَ التَّقَرُّبِ الَيْهِ بِالْقَلْبِ وَ السِّرِّ وَ الرُّوحِ فَمَنْ قَرُبَ مِنْهُ بَعُدَ مِنْ غَيْرِهِ؛

أَ لا تَرى فى الظّاهِرِ انَّهُ لا يَسْتَوى حالُ السُّجُودِ الّا بِالتَّوارى عَنْ جَميعِ الْاشْياءِ وَ الاحْتِجابِ عَنْ كُلِّ ما تَراهُ الْعُيُونُ؟ كَذٰلِكَ امْرُ الْباطِنِ.

فَمَنْ كانَ قَلْبُهُ مُتَعَلِّقاً فى صَلاتِهِ بِشَىْءٍ دُونَ اللّٰه تَعالى، فَهُوَ قَريبٌ مِنْ ذٰلِكَ الشَّىْءِ بَعيدٌ عَنْ حَقيقَةِ ما ارادَ اللّٰه مِنْهُ فى صَلاتِهِ.

قالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ: ما جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فی جَوْفِہِ.

وَ قالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: قالَ اللّٰہ تَعالی: لا اطَّلِعُ عَلی قَلْبِ عَبْدٍ فَاَعْلَمُ فیهِ حُبَّ الْاُخْلاصِ لِطاعَتی لِوَجْھی وَ ابْتِغاءِ مَرْضاتی، اِلّا تَوَلَّیْتُ تَقْویمَهُ وَ سِیاسَتَهُ.

وَ مَنِ اشْتَغَلَ بِغَیْری فَھُوَ مِنَ الْمُسْتَھْزِءینَ بِنَفْسِهِ، وَ مَکْتُوبٌ اسْمُهُ فی دیوانِ الْخاسِرین.[1]

اس حدیث شریف میں سجدہ کے اسرار وآداب جمع کر دیئے گئے ہیں اوراس میں تفکر سے سالک الی اللہ کے سامنے معرفت کی راہیں کھلتی ہیں اورمنکرین کے انکار اوران کی ہٹ دھرمی کے تار و پود بکھر جاتے ہیں اوراولیاءعرفان و اصحاب ایقان کی تائید وحمایت ہوتی ہے اورحق تعالی کے ساتھ انس وخلوت کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے

فرماتے ہیں:

خدا کی قسم ! نقصان نہیں دیکھتا وہ شخص جوسجدہ کی حقیقت کو بجالائے، چاہے عمر میں ایک ہی مرتبہ سہی اورنجات کا منہ نہیں دیکھتا وہ شخص جوغیرحق کوترک کر کے حق سے خلوت توکرے، لیکن دھوکہ دھڑی کرنے والوں کی طرح صورت میں توخلوت وانس میں ہو،

لیکن حقیقت حق سے غافل ہواورسجدہ گزاروں کے لئے حق تعالی نے جوکچھ مہیا فرمایا ہے، وہ اس عالم میں حق سے انس ہے اوراس عالم میں راحت وآرام ہے اور ہرگز اللہ سے دوری نہیں ہو تا وہ شخص جوسجدہ میں حق تعالی سے حسن تقرب چاہے اورحق تعالی سے نزدیک نہیں ہوتا وہ شخص جو سجدہ میں سوئے ادب سے کام لے اوراس کی حرمت کوضائع کرنے کہ حالت سجدہ میں اپنے قلب کوغیرحق سے متعلق کرے۔

اب جب تک کچھ سر سجود کو جان چکے اس شخص کی طرح سجدہ کرو جو بارگاہ اقدس حق میں تواضع وذلت اختیار کئے ہواوراپنےنقص اور بےسروسامانی کی حالت پرغورکرو

یادرکھو! کہ تم اس مٹی سے پیدا ہوئے ہو جسے مخلوقات خدا روندا کرتے ہیں اور ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوجس سے ہر شخص بچتاہے اوراس صورت میں کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا اور خدائے تعالی نے سجود کی معنویت کواپنے سے تقرب کا سبب قرار دیا ہے۔

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب السادس عشر، فی السجود

قلب اور سر روح کے ساتھ تقرب ! لہٰذا جو شخص حق سے قریب ہو گیا ہے وہ غیر حق سے دور گیا۔ چنانچہ سجدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب تمام اشیاء سے پوشیدہ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اس سے محجوب ہو جائے۔ اسی طرح باطن سے بھی یہی مظاہرہ کرے۔ پس جس شخص کا دل سجدہ میں غیر حق سے متعلق ہو جاتا ہے وہ اسی چیز، غیر حق، سے نزدیک اور جو اللہ نے چاہا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

ہم نے ایک شخص کے لئے دو دل قرار نہیں دیئے، [1]

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں اس بندہ کے دل پر جس میں میری اطاعت کی خالص محبت اور میری رضا حاصل کرنے کی آرزو ہے، جلوہ نہیں کرتا، مگر یہ کہ میں خود اس کے امور کی مشیت کا ذمہ دار ہو جاتا ہوں اور اس کے کاموں کی تدبیر کرتا ہوں اور جو شخص میرے علاوہ کسی اور میں مشتغل ہو جاتا ہے اس کا شمار کھلواڑ کونے والوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کا نام نقصان اٹھانے والوں کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

---

[1] سورہ احزاب، آیت ۴

فصل سوم

سجدے کا قوام

حدیث میں ہے کہ جب آیہ شریفہ، فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ [۱] نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس آیت کو رکوع میں شامل کرلو، اور جب آیہ شریفہ، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى [۲] (اپنے پروردگار کے برتر نام کی تسبیح کرو) نازل ہوئی تو فرمایا: اس آیت کو اپنے سجدہ میں قرار دو، [۳]

اور کافی کی حدیث شریف میں ہے کہ، پہلے نام جو اللہ نے اپنے لئے قرار دیئے، العلیّ، اور، العظیم، تھے [۴]

اور شاید، العلیّ، اسمائے ذاتیہ میں پہلا ہو اور، العظیم، اسمائے صفاتیہ میں پہلا ہو۔

اور معلوم ہو کہ سجود میں، نماز کے تمام اوضاع کی طرح ایک ہیئت، ایک حال، ایک ذکر اور ایک سرّ ہے اور یہ امور کاملین کے لئے جس طور پر ہیں اس کی طرف اس رسالہ میں اشارہ کیا جاچکا، تفصیلی بیان اس رسالہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ درمیان درجہ کے لوگوں کے اس کی ہیئت، خاکساری کا اظہار ار استکبار وخود بینی کو ترک کر دینا ہے اور سجدہ میں زمین پر، ناک رگڑ نا جو مستحبات مؤکدہ میں ہے، بلکہ اس کو ترک کرنا خلاف احتیاط ہے، کمال خضوع و تذلل و خاکساری ہے۔ نیز اپنی اصل کی طرف توجہ اور اپنی خلقت کو یاد کرنا ہے اور اپنے اہم ترین اعضاء ظاہرہ کو جو ادراک اور حرکت و قدرت

---

[۱] پس اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو۔ سورہ واقعہ، آیت ۷۴

[۲] سورہ اعلیٰ، آیت ۱

[۳] مجمع البیان، ج۹، ص ۲۲۴، ذیل آیہ ۷۴ سورہ واقعہ

[۴] اصول کافی، ج۱، ص ۱۰۳، کتاب التوحید، باب حدیث الاسماء، حدیث ۲

کے ظہور کا محل ہیں، اور وہ یہی سات آٹھ اعضا ہیں، جو سجدہ میں زمین پر رکھے جاتے ہیں، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ زمین پر رکھنا تسلیم کامل اور اپنی قوتوں کو پوری طرح، حق تعالیٰ کی بارگاہ میں، پیش کر دینا اور خطیئہ آدمیت سے باہر آنے کی علامت ہے۔

جب ان معانی کا تذکر قلب میں قوی ہوگا تو دھیرے دھیرے قلب اس سے متاثر ہوکر ایسی حالت پیدا کر لے گا جو خودی سے فرمار اور کود بینی کا ترک ہے اور اس حالت کے نتیجہ میں حالت انس پیدا ہوگی جس کے بعد خلوت تام حاصل ہوتی ہے اور محبت کلی پیدا ہوتی ہے۔

اور ذکر سجدہ، اس کا قوام، تسبیح، سے ہے جس کا مفہوم توصیف اور تعمیل امر کے لئے قیام سے تنزیہ یا تکثیر اسمائی سے تنزیہ یا توحید سے تنزیہ ہے، کیونکہ توحید ''باب تفعیل'' سے ہے جس کے معنی، کثرت سے وحدت میں جانا ہیں اور یہ معنی کثرت اور شرک کے شائبہ سے خالی نہیں جیسا کہ علو ذاتی کے ساتھ توصیف اور تمحید بھی اس شائبہ سے خالی نہیں ہے۔

اور ''العلی'' اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اور کافی کی روایت کے مطابق یہ پہلا نام ہے جو اللہ نے اپنے لئے اختیار کیا، یعنی ذات کی اپنے لئے یہ پہلی تجلی ہے اور عبد سالک جب اس مقام میں، خود، سے فانی ہوگیا اور عالم اور جو کچھ عالم میں ہے سب کو ترک کر دیا تو اس تجلی ذاتی سے سرفراز ہو جائے گا۔

اور معلوم ہو کہ چونکہ رکوع اول اور سجود ثانی ہے اس لئے ان کی تسبیح و تحمید میں فرق ہے اور ''رب'' بھی ان دونوں مقامات میں فرق رکھتا ہے، کیونکہ ''رب'' جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے کہ اسمائے ذاتیہ وصفاتیہ وافعالیہ میں ہے تین اعتبار سے اس بنا پر ''رب'' الحمد للہ رب العالمین، میں شاید مقام قیام کی مناسبت سے اسمائے فعلیہ میں ہے جو مقام توحید افعالی ہے اور رکوع میں اسمائے صفاتیہ میں ہے اور اس مناسبت سے کہ رکوع مقام توحید صفات ہے اور سجود میں اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اس مناسبت سے کہ سجود مقام توحید ذات ہے اور، تسبیح و تحمید، بھی جس مقام میں واقع ہوئی ہو اسی مقام سے مربوط ہے [1]

[1] نسخہ خطی میں فصل چہارم کے آغاز سے پہلے حضرت امامؒ نے تقریباً دو صفحات ''تنبیہ عرفانی'' کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں، لیکن اس کے بعد اس حصہ پر حذف کی علامت کے طور پر قلم کھینچ دیا ہے اور حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: یہ تنبیہ زیادہ ہے اور آخر تک محو کر دی جانی چاہئے۔ کتاب کے نئے نسخہ میں بھی یہ حصہ موجود نہیں ہے۔ لیکن مطلب مذکور کو قبل کے ایڈیشنز میں درج ہوگیا ہے اور موجودہ ایڈیشن میں یہ حصہ حذف کیا گیا ہے۔

فصل چہارم

جیسا کہ صلوٰۃ معراج میں ہے، سجدہ غشی اور بے ہوشی کا نام ہے جو حق تعالیٰ کے انوار عظمت کے مشاہدہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جب بندہ خود سے بے خود ہو گیا اور محو و صعق کا حال اس کو حاصل ہو گیا تو عنایت ازلی اسکے شامل حال ہو جائے گی اور الہام غیبی ہونے لگے گا۔

ذکر سجود اور اس کی تکرار حال صحو حاصل کرنے اور بے خودی سے خودی میں آنے کے لئے ہے۔ پس جب خودی وہوش میں آ گیا تو مشاہدہ نور حق کے شوق کی آگ اسکے دل میں مشتعل ہو جاتی ہے اور وہ سجدہ سے سر اٹھاتا ہے اور چونکہ خود میں انانیت کا کچھ بقایا نظر آتا ہے تو ہاتھوں سے اس کے ترک کا اشارہ کرتا ہے تو دوسری مرتبہ اس پر نور عظمت کی تجلی ہوتی ہے اور بقیہ انانیت کو جلا ڈالتی ہے اور فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے اور تکبیر کہتے ہیں محو کلی مطلق اور مکمل حقیقی بے ہوشی کی حالت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ پس غیبی دستگیری اذکار کا الہام کر کے اس کو اس مقام میں متمکن کرتی ہے اور اس مقام میں صحو کی حالت جو مقام ولایت ہے اور ہر خلقی احتجاب و آلائش سے منزہ ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور حال تشہد سلام بھی جو احکام کثرت سے ہے اس صحو بعد المحو (بے خودی کے بعد ہوش) میں حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر تمام دائرہ سیر انسانی مکمل اور تمام ہو جاتا ہے۔

باب ہفتم

آداب تشہد کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول

وحدانیت و رسالت کی گواہی اذان و اقامت

معلوم ہو کہ وحدانیت و رسالت کی گواہی اذان و اقامہ میں جو نماز کے متعلقات اور نماز میں ورود کی تیاریوں میں سے ہے اور تشہد میں جو فنا سے بقاء کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف خروج ہے اور نماز کے آخر میں ہے، عبد سالک کو یاد دلاتی ہے کہ حقیقت صلوٰۃ توحید حقیقی کا حصول ہے اور وحدانیت کی گواہی ان مقامات میں ہے جو اس میں شامل ہیں اور سالک کے ساتھ اول صلوٰۃ سے آخر صلاۃ تک رہتے ہیں۔ اور اس میں حق تعالیٰ کی اولیت و آخریت کا راز بھی مضمر ہے اور اس میں ایک اور عظیم راز یہ بھی ہے کہ سفر سالک من اللہ والی اللہ (اللہ سے، اللہ کی طرف) ہے، كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ۔ [1]

لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ تمام مقامات میں اس مقصد کی طرف توجہ رکھے اور وحدانیت والوہیت کی حقیقت کو قلب تک پہنچائے اور قلب کو اس سفر میں الٰہی معراج کا حامل بنائے تاکہ اس کی گواہی حقیقت پیدا کر لے اور نفاق و شرک سے منزہ ہو جائے۔

اور رسالت کی گواہی میں بھی شاید اس کی طرف اشارہ ہو کہ ولی مطلق و نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی بھی اس معراج سلوکی میں شامل مقامات میں سے ہے، جس کی طرف سالک کو تمام مقامات میں متوجہ رہنا چاہیئے اور ظہور، اولیت، و آخریت کا راز ان کے لئے واضح ہو جائے جو اس کے اہل ہیں۔

---

[1] سورۂ اعراف:۲۹

اورمعلوم ہونا چاہئے کہ اول نماز میں گواہی اورتشہد میں گواہی کے درمیان فرق ہے، کیونکہ وہ گواہی قبل سلوک ہے اورشہادت تعبدی،تعمیل امرکوقبول کرنے) یاتعقلی،مطابق عقل، ہے اور یہ شہادت تحققی، وجود میں آنے کی، یا تمکنی، قدرت حاصل ہونے کی، ہے۔ پس شہادت،تشہد، بہت پرخطرہے،کیونکہ اس میں تحقق وتمکن کا دعویٰ ہے اور کثرت کی طرف بے حجاب واپسی کا دعویٰ ہے اور چونکہ یہ اعلیٰ مقام ہم جیسوں کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ہمارا جو حال ہوگیا ہے اس میں اس کی توقع بھی نہیں ہے۔لہٰذا بارگاہ باری کا ادب یہ ہے کہ اپنا قصور اوراپنی ذلت ونقص اورعاجزی و بے چارگی کو نظر میں رکھیں اورندامت وشرمساری کے ساتھ محضرقدس کی طرف رخ کر کےعرض کریں:

بارالٰہا! ہم کومقامات اولیاء ومدارج اصفیاء اورکمال مخلصین وسلوک سالکین سے چند الفاظ کے علاوہ کچھ میسر نہیں ہے اورتمام مقامات کے بارے میں ہم نے صرف قیل وقال پراکتفا کیا ہے،جس سے نہ کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ حال۔

بارخدایا! جب دنیا اوراس سے تعلقات نے ہم کوتیری بارگاہ قدس اورمحفل انس سے محجوب کردیا ہےتو اپنے لطف خفی سے ہم پریشان حالوں کی دستگیری فرما اور ہماری گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی فرما تاکہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہو کرتیرے محضرقدس میں آنے کی راہ پاسکیں۔

(آمین یارب العالمین)۔

فصل دوم

قلبی آداب اوران کے حقائق واسرار کی طرف اشارے

عن مصباح الشریعة، قال الصادق علیه السلام: التَّشَهُّدُ ثَناءٌ عَلَی اللّٰه تَعالی. فَکُنْ عَبْداً لَهُ فِی السِّرِّ خاضِعاً لَهُ فِی الْفِعْلِ، کَما انَّکَ عَبْدٌ لَهُ بِالْقَوْلِ وَ الدَّعْوی. وَ صِلْ صِدْقَ لَسانِكَ بِصَفاءِ صِدْقِ سِرِّكَ، فَانَّهُ خَلَقَكَ عَبْداً وَ امَرَكَ انْ تَعْبُدَهُ بِقَلْبِكَ وَ لِسانِكَ وَ جَوارِحِكَ، وَ انْ تُحَقِّقَ عُبُودِیَّتَكَ لَهُ بِرُبُوبِیَّتِهِ لَكَ، وَ تَعْلَمَ انَّ نَواصِیَ الْخَلْقِ بِیَدِهِ. فَلَیْسَ لَهُمْ نَفَسٌ وَ لا لَحْظٌ الّا بَقُدْرَتِهِ وَ مَشِیَّتِهِ، وَ هُمْ عاجِزُونَ عَنْ اتْیانِ اقَلِّ شَیْءٍ فی مَمْلَکَتِهِ الّا بِإذْنِهِ وَ ارادَتِهِ. قالَ اللّٰه عَزَّ وَ جَلَّ:
وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ ما یَشاءُ وَ یَخْتارُ ما کانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ [مِنْ امْرِهِمْ] سُبْحانَ اللّٰه وَ تَعالی عَمّا یُشْرِکُونَ.[1]

فَکُنْ عَبْداً شاکِراً بِالْفِعْلِ، کَما انَّكَ عَبْدٌ ذاکِرٌ بِالْقَوْلِ وَ الدَّعْوی.
وَ صِلْ صِدْقَ لِسانِكَ بِصَفاءِ سِرِّكَ؛ فَانَّهُ خَلَقَكَ، فَعَزَّ وَ جَلَّ انْ یَکُونَ ارادَةٌ وَ مَشِیَّةٌ لِاحَدٍ الّا بِسابِقِ ارادَتِهِ وَ مَشِیَّتِهِ.

---

[1] اورتمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اورانتخاب کرتا ہے۔ ان لوگوں کو اپنے کام میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ خدا منزہ ہے اور برتر اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں، (سورہ قصص، آیت ۶۸)

فَاسْتَعْمِلِ الْعُبُودِيَّةَ فِي الرِّضا بِحُكْمِهِ و بِالْعِبادَةِ فِی اداءِ اوامِرِهِ. وَ قَدْ امَرَكَ بِالصَّلاةِ عَلى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صلى اللّٰه عَلَيْهِ وَ آلِهِ، فَاوْصِلْ صَلاتَهُ بِصَلاتِهِ وَ طاعَتَهُ بِطاعَتِهِ وَ شَهادَتَهُ بِشَهادَتِهِ.

وَ انْظُرْ لا يَفُوتُكَ بَرَكاتُ مَعْرِفَةِ حُرْمَتِهِ، فَتَحرِمَ عَن فائِدَةِ صَلاتِهِ وَ امْرِهِ بِالْاسْتِغْفارِ لَكَ وَ الشَّفاعَةِ فيكَ انْ اتَيْتَ بِالْواجِبِ فِي الْأمرِ وَ النَّهْيِ وَ السُّنَنِ وَ الْآدابِ، وَ تَعْلَمَ جَليلَ مَرْتَبَتِهِ عِنْدَاللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ. [1]

اس حدیث شریف میں عبادات کے قلبی آداب اور ان کے حقائق و اسرار کی طرف اشارے ہیں۔ چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

تشہد ثنائے حق تعالیٰ ہے، بلکہ سابق میں اشارہ کیا جا چکا کہ مطلق عبادت ثنائے حق تعالیٰ ہے یا ایک اسم کے ساتھ یا بہت سے اسماء کے ساتھ یا تجلیات میں سے کسی تجلی کے ساتھ اور یا اصل ہو یت کے ساتھ۔

اور بہترین آداب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ

جس طرح تم ظاہر میں بندگی کرتے ہو اور عبودیت کے مدعی ہو اسی طرح باطن میں بھی بندگی کرو تاکہ باطنی قلبی عبودیت اعمال اعضاء و جوارح میں بھی سرایت کرے، قول و عمل سر و باطن کی تصویر بن جائے، حقیقت عبودیت تمام اجزائے وجود میں چاہے وہ اجزائے ظاہری ہوں یا اجزائے باطنی، سرایت کر جائے۔ ہر عضو توحید کی لذت پائے اور ذاکر کی زبان ذکر کو قلب تک پہنچائے اور موحد و مخلص قلب، توحید و اخلاص کو زبان تک پہنچائے اور حقیقت عبودیت سے ربوبیت کو طلب کرے، خود پرستی سے باہر آئے اور الوہیت حق کو قلب تک پہنچائے اور جان لے کہ بندوں کی پیشانی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ سانس لینے اور دیکھنے پر بھی قادر ہیں تو قدرت و مشیت حق تعالیٰ سے اور وہ سب کے سب مملکت حق میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنے سے عاجز ہیں چاہے معمولی تصرف ہی کیوں نہ ہو، مگر اسی ذات مقدس کے اذن اور ارادہ سے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، خدائے تعالیٰ ہی چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے، کسی کو اپنے امور

---

[1] مصباح الشریعہ، اباب السابع عشر، فی التشہد

میں کوئی اختیار نہیں ہے۔یعنی استقلالی طور پر خدائے تعالیٰ منزہ ہے مملکت وجود میں تصرف کرنے والے کسی شریک سے، جب یہ پر لطف نکتہ تم نے قلب تک پہنچادیا تو تمہارا شکر خدا حقیقت بن جائے گا اور یہ شکر تمہارے اعضاء اور تمہارے اعمال میں سرایت کر جائے گا اور جس طرح عبودیت میں زبان وقلب کو ساتھ ہونا چاہئے اسی طرح اس توحید فعلی میں بھی صدق لسان کو صفائے سر قلب تک پہنچنا چاہئے۔کیونکہ حق تعالیٰ ہی خالق ہے اور اس کے علاوہ، کائنات میں)کوئی مؤثر نہیں ہے اور تمام ارادے اور مشیتیں اس کی ازلی مشیت وارادہ کے سائے ہیں۔

وحدانیت والوہیت کے آداب کی گواہی کے بعد عبد مطلق و رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام مقدس کی طرف متوجہ ہو اور رسالت پر عبودیت کے مقام کے مقدم ہونے پر متنبہ ہو کہ تمام مقامات سالکین کا مقدر قدم عبودیت ہے اور رسالت عبودیت کا ایک شعبہ اور چونکہ رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد حقیقی اور حق میں فانی ہیں۔لہٰذا ان کی اطاعت حق کی اطاعت ہے اور رسالت کی شہادت، وحدانیت کی شہادت سے متصل ہے اور عبد سالک کو چاہئے کہ اپنی نگرانی کرے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں جو خدا ہی کی اطاعت ہے قصور نہ ہونے پائے تا کہ اطاعت، یعنی بار گاہ اقدس میں بار یابی کی برکتوں سے جو ولی مطلق کی دستگیری سے حاصل ہوتی ہیں محروم نہ رہ جائے اور جان لے کہ کسی کو ولی نعمت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستگیری کے بغیر بارگاہ قدس وجائے گاہ انس میں باریابی نہیں ملتی۔

باب ہشتم

سلام کے آداب

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول

معلوم ہو کہ عبد سالک جب مقام سجود سے جس کا راز، فنا، ہے ہوش میں آیا اور حالت صحو و ہوشیاری اس کو حاصل ہوئی اور خلق سے غیبت، کی حالت سے حضور کی حالت کی طرف واپس ہوا تو موجودات پر سلام کرے، اس شخص کے سلام کی طرح جو سفر و غیبت سے لوٹا ہے۔ پس سفر سے واپسی کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرے، کیونکہ وحدت سے کثرت کی طرف واپسی کے بعد پہلی حقیقت، حقیقت ولایت کی تجلی ہے، **نحن الاولون السابقون**، [1]

اس کے بعد دوسرے اعیان موجودات کی طرف تفصیل وجمع کے طریقے پر توجہ کرے۔

اور جو شخص نماز میں خلق سے غائب نہیں رہا اور مسافر الی اللہ نہیں ہوا اس کے لئے سلام کی کوئی حقیقت نہیں اور زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا سلام کا قلبی ادب پوری نماز کے ادب کے ساتھ ہے اور اگر اس نماز میں جو حقیقت معراج ہے کوئی عروج حاصل نہیں ہوا اور بیت نفس سے خارج نہ ہوا تو سلام اس کے لئے نہیں ہے۔ نیز اس سفر میں اگر تصرفات شیطانی اور تصرفات نفس امارہ سے سلامتی رہی اور اس معراج حقیقی کے تمام ہونے پر قلب میں کوئی کھوٹ نہ ہوا تو اس کا سلام حقیقت رکھتا ہے۔ ورنہ اس کے لئے کوئی سلامتی نہیں ہے۔ ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام اسی بنا پر حقیقت میں سلام ہے، کیونکہ وہ اس سفر معراجی اور اس سیر الی اللہ میں بلند ہوتے ہوئے بھی اور واپس آتے ہوئے بھی سلامتی سے متصف رہے اور پورے سفر میں غیر حق سے عاری و بری رہے جیسا کہ سورہ مبارکہ، انا انزلنا، میں ہم نے اشارہ کیا۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۱۵، نَحْنُ الْأَوَّلُونَ وَ نَحْنُ الْآخِرُون، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۵۸۵، اور صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶، نحن الاخرون و نحن السابقون، نقل کیا ہے، دلائل الامامۃ ص ۱۶۸ میں "نَحْنُ الْأَوَّلُونَ وَ الْآخِرُون" کی عبارت ذکر ہے۔

فصل دوم

سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں امان ہے

مِصْبَاحُ الشَّرِيعَةِ قَالَ الصَّادِقُ ع: مَعْنَى السَّلَامِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ الْأَمَانُ أَيْ مَنْ أَدَّى أَمْرَ اللَّهِ تَعَالَى وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ ص خَاضِعاً لِلَّهِ خَاشِعاً فِيهِ فَلَهُ الْأَمَانُ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَ بَرَاءَةٌ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ.

وَ السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْدَعَهُ خَلْقَهُ لِيَسْتَعْمِلُوا مَعْنَاهُ فِي الْمُعَامَلَاتِ وَ الْأَمَانَاتِ وَ الْإِضَافَاتِ وَ تَصْدِيقِ مُصَاحَبَتِهِمْ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَ صِحَّةِ مُعَاشَرَتِهِمْ.

فَإِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَضَعَ السَّلَامَ مَوْضِعَهُ وَ تُؤَدِّيَ مَعْنَاهُ فَاتَّقِ اللَّهَ وَ لْيَسْلَمْ مِنْكَ دِينُكَ وَ قَلْبُكَ وَ عَقْلُكَ وَ لَا تُدَنِّسْهَا بِظُلْمَةِ الْمَعَاصِي وَ لْتَسْلَمْ حَفَظَتُكَ أَنْ لَا تُبْرِمَهُمْ وَ تُمِلَّهُمْ وَ تُوحِشَهُمْ مِنْكَ بِسُوءِ مُعَامَلَتِكَ مَعَهُمْ ثُمَّ صَدِيقُكَ ثُمَّ عَدُوُّكَ فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَسْلَمْ مِنْهُ مَنْ هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ فَالْأَبْعَدُ أَوْلَى

وَ مَنْ لَا يَضَعِ السَّلَامَ مَوَاضِعَهُ فَلَا سَلَامَ وَ لَا سَلَّمَ وَ كَانَ كَاذِباً فِي سَلَامِهِ وَ إِنْ أَفْشَاهُ فِي الْخَلْقِ [1]

---

[1] (مصباح الشریعہ، اباب الثامن عشر، فی السلام، بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۳۰۷

سلام کے معنی نماز کے اختتام پر، امان ہیں، یعنی ہر شخص حکم خدا اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خشوع قلب کے ساتھ بجالائے وہ دنیا کی بلا سے امان میں ہے اور عذاب آخرت سے محفوظ اور، سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اپنی مخلوق کے درمیان بطور امانت رکھا ہے تا کہ عطا و بخشش، امانات کی حفاظت، باہم تعلقات، صدق معاشرت و ہمنشینی میں اس سے کام لیں اور اگر سلام کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہو اور اس کے معنی ادا کرنا چاہو تو خدا کی فکر رکھو اور تمہارا دین، دل اور عقل سے سالم رہیں اور ان کو گناہوں کی تاریکی سے آلودہ نہ کرو اور اپنے نگہبان فرشتوں کو امان میں رکھو اور ان کو آزار نہ دو۔ ان کو ملول نہ کرو اور اپنی ناشائستہ رفتار سے انہیں دور ہونے پر مجبور نہ کرو، پھر تمہارا دوست اور اس کے بعد تمہارا دشمن (تمہاری طرف سے امان میں رہنا چاہئے) کیونکہ جس کے قریب رہنے والے امان میں نہ رہیں، غیر یقینا اس سے امان میں نہ رہیں گے اور جو شخص سلام کو ان مقامات پر کام میں نہ لائے (اس کے لئے) نہ سلام ہے نہ تسلیم (نسخہ، اور نہ سلم) اور وہ اپنے سلام میں جھوٹا ہے چاہے لوگوں کے درمیان سلام کے ذریعہ دکھاوا کرو۔

فرماتے ہیں: سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں، امان، ہے یعنی جو اوامر الٰہیہ اور سنن نبویہؐ کو ادا کرے خشوع قلب کے ساتھ وہ دنیا کی بلا اور آخرت کے عذاب سے امان پاتا ہے، یعنی دنیا میں شیطانی تصرفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، کیونکہ اوامر الٰہیہ کو خشوع قلب کے ساتھ ادا کرنا تصرفات شیطانی کے قطع ہو جانے کا سبب ہے۔

ان الصلاۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر۔[1]

یقینا نماز فحشاء و منکرات سے روکتی ہے۔

اس کے بعد 'سلام' کے اسرار میں ایک راز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو خدا نے موجودات میں امانت کے طور پر رکھا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موجودات اسمائے الٰہیہ کا مظہر ہیں اور عبد سالک کو چاہئے کہ اس الٰہی راز کو جو اس کے باطن ذات اور اس کے خمیر میں مضمر کیا گیا ہے ظاہر کرے اور تمام معاملات، معاشرات، امانات اور تعلقات میں استعمال کرے اور اپنی مملکت باطن و ظاہر میں نافذ کرے اور حق اور دین حق کے ساتھ معاملات میں استعمال کرے تا کہ اللہ کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہ قرار پائے۔ پس ''سلام'' کی حقیقت کو اپنی تمام قوائے ملکی و ملکوتی اور تمام عادات و عقائد اور اخلاق و اعمال میں نافذ کرے تا کہ خود تمام تصرفات سے

---

[1] سورہ عنکبوت، آیت ۴۵

محفوظ رہے اور اس سلامتی کے حصول کا طریقہ تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تقویٰ کے کچھ مراتب ومنازل ہیں:

۱۔تقوائے ظاہر یعنی جسمانی گناہوں کی گندگی اور اندھیرے سے ظاہر کو محفوظ رکھنا۔

۲۔تقوائے باطن، یعنی باطن کو اخلاق اور روحانی عادات میں افراط وتفریط اور حسد اعتدال سے ادھر ادھر ہونے سے پاک ومحفوظ رکھنا۔ یہ خاص تقویٰ ہے۔

۳۔تقوائے عقل، یعنی عقل کو غیر الٰہی علوم میں مصروف رہنے سے پاک ومحفوظ رکھنا۔ علوم الٰہیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو شرائع وادیان الٰہیہ سے مربوط ہیں اور تمام طبیعی وغیر طبیعی علوم، جو مظاہر حق کی معرفت کے لئے ہیں، الٰہیہ ہیں اور ایسی معرفت کے لئے نہ ہوں تو الٰہیہ نہیں، چاہے مبدا ومعاد کے مباحث ہی کیوں نہ ہوں اور یہ تقویٰ اخص خواص ہے۔

۴۔تقوائے قلب، یعنی قلب کو غیر حق کے مشاہدہ اور مذاکرہ سے پاک ومحفوظ رکھنا۔ یہ اولیاء کا تقویٰ ہے اور حدیث شریف قدسی سے مراد جس میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

جَلِيسُ مَنْ جَالَسَنِي، [1]

میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے اپنا ہم نشین منتخب کرے۔

یہی خلوت قلبی ہے اور یہ خلوت بہترین خلوات ہے اور دوسری خلوتیں اسی خلوت کے حاصل کرنے کا مقدمہ ہیں۔

پس جو شخص تقویٰ کے تمام مراتب سے متصف ہو جائے اس کا دین، عقل، روح، قلب اور اس کے تمام قوائے ظاہرہ وباطنہ محفوظ وسالم ہو گئے اور اس کے محافظین ومؤکلین بھی سالم ہو گئے اور اس سے رنجیدہ وملول وحشت ناک نہ ہوں گے اور ایسے شخص کے معاملات ومعاشرت، دوست دشمن سب کے ساتھ سلامت ہوں گے، بلکہ عداوت کی بنیاد ہی اس کے باطن قلب سے منہدم ہو جائے گی۔ چاہے لوگ اس سے عداوت کریں اور جو شخص تمام مراتب میں سلامت نہ ہوگا (وہ سلامت نہ ہونے کے بقدر) سلام، کے فیض سے محروم اور افق نفاق سے نزدیک ہوگا۔ (نعوذ باللہ منہ)۔

[1] اِقبال الأعمال (ط-القدیمۃ) / ج 2 / 628 /فصل فیما نذکرہ من حدیث الملک الداعی إلی اللہ فی کل لیلۃ من رجب ..... ص: 628

رُوِیَ عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْعَسْکَرِیِّ عَلَیْہِ السَّلَام:
عَلامَاتُ الْمُؤمِنِیْنَ [الْمُؤمِنِ] خَمْسٌ:
صَلاۃُ الْاِحْدٰی وَ الْخَمْسِیْنَ
وَزِیَارَۃُ الْاَرْبَعِیْنَ وَ التَّخَتُّمُ بِالْیَمِیْنِ
وَ تَعْفِیْرُ الْجَبِیْنِ وَ الْجَھْرُ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ۔ [1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:
مومن وشیعہ کی پانچ (۵) نشانیاں ہیں:

۱۔اکاون رکعت نماز پڑھنا۔(روزانہ کی واجب و مستحب نمازیں)۔

۲۔زیارت اربعین۔(چہلم:۲۰/صفر)

۳۔داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔

۴۔پیشانی کو(حالت سجدہ میں) خاک پر رکھنا۔

۵۔بلند آواز سے(نماز میں) "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہنا۔

---

[1] مصباح المتہجد: ص۷۸۸

خاتمہ کتاب

نماز کے بعض داخلی و خارجی امور کے آداب

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھی جانے والی تسبیحات اربعہ اور بقدر مناسب ان کے قلبی اسرار و آداب۔

تسبیحات اربعہ کے چار ارکان ہیں:

رکن اول: تسبیح، یعنی تحمید و تہلیل کی ادائیگی کے ذریعہ، توصیف سے اس کی تنزیہ کا اظہار جو نماز کے مقامات شاملہ میں ہے اور بندہ سلاک کو چاہئے کہ تمام عبادات میں اس کی طرف متوجہ رہے اور اپنے قلب کو حق تعالیٰ کی توصیف و ثنا کے دعوے سے محفوظ رکھے۔ گمان نہ کرے کہ بندگی کا حق ادا کرنا بندہ کے امکان میں ہے چہ جائیکہ ربوبیت کا حق ادا کرنا جس تک اولیائے کاملین کی چشم امید بھی نہیں پہنچ سکی اور اکابر اہل معرفت کا دست شوق اس کے دامن تک پہنچنے سے قاصر رہا۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز گیر،[1]

عنقا شکار ہوتا نہیں ہے، یہ دام اٹھا

اسی وجہ سے کہتے کہ اہل معارف کا کمال معرفت یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا عرفان حاصل کرلیں،[2]

ہاں! چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت واسعہ ہم کمزور بندوں کے شامل حال ہے، اس نے اپنی رحمت کے سائے میں ہم بے چاروں کو حاضری کی اجازت دے دی ہے اور ایک ایسے مقدس و منزہ مقام پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے، جس کے قریب جانے سے فرشتوں کی کمر خم ہو جاتی ہیں اور یہ ولی نعمت کی ذات پاک عظیم ترین تفضلات و نعمات میں سے ہے جو اس نے بندوں کے شامل حال کی ہیں جن کی قدر و قیمت اہل معرفت، اولیائے کاملین اور اولیاء اللہ ہی

---

[1] عنقا شکار کس نشود، دام باز گیر
کانجا ہمیشہ باد بہ دست است دام را
حافظؒ

[2] بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۱۵۰، المناجات ثمانیۃ عشر، مناجات العارفین

اپنی معرفت کے بقدر جانتے ہیں اور ہم محجوبین جو ہر مقام و منزلت سے بچھڑے ہوئے اور ہر کمال و معرفت سے دورافتادہ و محروم کلی طور پر ان سے غافل ہیں اور اوامر الٰہیہ کو جو درحقیقت لامحدود عظیم نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہیں تکلف اور کلفت سمجھتے ہیں اور کاہلی و بے دلی کے ساتھ ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی نورانیت سے پوری طرح محروم ہیں اور محجوب ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ چونکہ تحمید و تہلیل، توحید فعلی کو شامل ہے اور اس میں تحدید و تنقیص کا شائبہ ہے، بلکہ تشبیہ و تخلیط کا شائبہ ہے، لہٰذا عبد سالک کو اس میں ورود کی تیاری کے لئے لازم ہے کہ خود کو تسبیح و تنزیہ کے مضبوط قلعہ میں وارد کرے اور اپنے باطن قلب کو سمجھائے کہ حق تعالیٰ تعینات خلقیہ اور تلبیس کثرات کے شائبہ سے منزہ ہے تاکہ تحمید میں ورود تکثیر کے شائبہ سے پاک رہے۔

رکن دوم: تحمید، ہے اور وہ مقام توحید فعلی ہے جو قیام کے مناسب حال بھی ہے اور قرائت کے مناسب بھی اور اسی وجہ سے یہ تسبیحات آخری رکعتوں میں، حمد، کی قائم مقام ہیں اور نماز گزار کو اختیار ہے کہ ان کی جگہ ''حمد'' بھی پڑھ سکتا ہے اور توحید فعلی کا جیسا کہ ''حمد'' میں ذکر ہوا، حق تعالیٰ کے لئے حمد کے حصر سے استفادہ کریں، بندہ کے ہاتھ کو ہر طرح کی حمد سے کلی طور پر قاصر سمجھیں، **هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ** [1] (وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن) کو گوش قلب تک پہنچائیں، **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى**[2] کے ذائقہ سے روح کو آشنا کریں اور خود بینی و خودخواہی کو سلوک کے قدموں تلے روند ڈالیں تاکہ خود کو مقام تحمید تک پہنچا سکیں اور دل کو مخلوق کا زیر بار احسان ہونے سے روکیں۔

رکن سوم: تہلیل ہے، اس کے چند مقامات ہیں:

ایک مقام نفی الوہیت فعلیہ ہے جو لاموثر فی الوجود الا اللہ کی دوسری تعبیر ہے اور یہ مقام حصر، تحمید، کی تاکید کرتا ہے، بلکہ اس کا موجب و مسبب ہے، چونکہ وجودات امکانیہ کے مراتب حقیقت و جود حق تعالیٰ کا سایہ اور ربط محض ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی ذاتی استقلال و قیام نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کی طرف ایجادی تاثیر کی نسبت کسی طرح بھی نہیں دی جاسکتی، کیونکہ تاثیر کے لئے استقلال ایجاد لازم ہے اور استقلال ایجاد، استقلال وجود کو مستلزم ہے اور اہل ذوق کے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وجودات ظلیہ کی حقیقت خلقی آئینوں میں قدرت حق ظہور ہے اور لا الہ

---

[1] سورۂ حدید: ۳

[2] سورۂ انفال: ۱۷

الا اللہ کے معنی خلق میں فاعلیت وقدرت حق کا مشاہدہ اور تعینات خلقیہ کی نفی اوران کے مقام فاعلیت اوران کی تاثیر کو حق میں فنا کردینا ہے۔

ایک اور مقام، نفی معبود غیر حق ہے اور لا الہ الا اللہ کے معنی لا معبود سوی اللہ، ہیں اور ایسی بنا پر مقام، تہلیل، نتیجہ مقام، تحمید، ہے، کیونکہ اگر حمد وستائش ذات حق میں منحصر ہوگئی تو عبودیت بھی اپنا بار اسی مقام مقدس پر ڈال دے گی اور ساری عبودیتیں جو مخلوق کی طرف سے مخلوق کے لئے ہوتی ہیں جو سب کی سب حمد وستائش کی رویت کے لئے ہیں منتفی ہوجائیں گی پس گویا سالک یوں کہتا ہے کہ جب تمام حمد وستائش حق میں منحصر ہے تو عبودیت بھی اسی میں منحصر ہونا چاہئے اس طرح وہی معبود قرار پائے گا اور سارے بت شکستہ ہوجائیں گے۔ تہلیل کے اور بھی مقامات ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

رکن چہارم: تکبیر ہے۔ یہ بھی توصیف سے بالاتر ہونے کے معنی میں ہے۔ گویا بندہ نے، تحمید وتہلیل، میں ورود کے آغاز ہی میں توصیف سے تنزیہ کی ہے اوران سے فارغ ہونے کے بعد بھی توصیف سے تنزیہ وتکبیر کرتا ہے تاکہ اس کی تحمید وتہلیل تقصیر وتذلل کے اعتراف سے گھری ہے اور شاید تکبیر اس مقام میں، تحمید وتہلیل، سے بالاتر ہو کیونکہ اس میں کثرت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا اور شاید، تسبیح، میں تکبیر سے تنزیہ اور تکبیر میں تنزیہ سے بھی بالاتری مراد ہو تاکہ تمام دعوے کلی طور پر ساقط ہوجائیں اور توحید فعلی میں متمکن ہوجائے اور دل میں قیام بہ حق کے مقام کا ملکہ پیدا ہوجائے۔ بہت سے رنگوں میں رنگنے سے باہر آئے اور حالت تمکین حاصل ہوجائے۔

عبد سالک کو چاہئے کہ ان اذکار شریفہ میں جو معارف کی روح ہیں تضرع وتذلل اور زہد وانقطاع کی حالت دل میں پیدا کرے اور مداومت کی کثرت سے باطن قلب کو ذکر کی صورت دے دے اور حقیقت ذکر کو باطن قلب میں متمکن کردے تاکہ قلب لباس ذکر سے آراستہ ہوجائے اور اپنا لباس، جو لباس بعد ہے، اتار دے تب قلب حقانی ہو جائے گا اور، اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ [1] (یقیناً خدا نے مؤمنین سے ان کی جانوں کو خرید لیا ہے) کی حقیقت اور روح اس میں متحقق ہوجائے گی۔

---

[1] سورہ توبہ، آیت ۱۱۱

فصل دوم

قنوت کے قلبی آداب

معلوم ہو کہ، قنوت، مستحبات موکدہ میں سے ایک ہے، جس کا ترک کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ احتیاط اس کے بجالانے ہی میں ہے، کیونکہ بعض فقہاء اس کے وجوب کے قائل ہیں اور بعض روایات کا ظاہر بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے اگر چہ فن فقہ میں اقویٰ عدم وجوب ہے جیسا کہ علماء کے درمیان مشہور ہے اور وہ اسی خاص کیفیت کے ساتھ ہے جو فرقہ امامیہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان متعارف ہے، یعنی ہاتھوں کو چہرہ کے مقابل بلند کرنے، ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف پھیلانے اور ماثور یا غیر ماثور دعائیں پڑھنے سے وجود میں آتی ہے اور جائز ہے کہ عربی یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دعا پڑھی جائے، مگر عربی میں پڑھنا احوط اور افضل ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ قنوت میں سب سے بہتر دعائے فرج کا پڑھنا ہے، [1]

اور راقم الحروف کی نظر سے افضلیت پر کوئی معتد بہ فقہی دلیل تو نہیں گزری، لیکن دعا کا مضمون اس کی فضیلت تامہ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ تہلیل، تسبیح اور تحمید پر مشتمل ہے جو روح توحید ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اس کے علاوہ اللہ کے عظیم اسماء پر مشتمل ہے جیسے: اللہ، الحلیم، الکریم، العلیّ، العظیم، الربّ) نیز ذکر رکوع وسجود پر مشتمل ہے۔ اسماء ذات وصفات وافعال پر بھی مشتمل ہے۔ مراتب تجلیات حق تعالیٰ پر بھی مشتمل ہے اور سلام بر مرسلین پر بھی مشتمل ہے۔ اگر چہ

---

[1] لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وسائل شیعہ، ج ۴، ص ۹۰۴، کتاب الصلاۃ، ابواب القنوت، باب ۷، حدیث ۴، مستدرک وسائل الشیعہ، کتاب الصلاۃ، ابواب القنوت، باب ۶، حدیث ۴-۹

اس کے ترک کرنے میں احتیاط ہے، لیکن اقویٰ جواز ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی آل پاک علیہم السلام پر صلوات پر بھی مشتمل ہے۔ گویا یہ دعائے شریف مختصر ہونے کے باوجود نماز کے تمام ذکری وظائف پر مشتمل ہے۔

فقہاء کے قول سے بھی افضلیت کا اثبات کیا جاسکتا ہے یا تسامح فی ادلۃ السنن، [1] کے قاعدے کے مطابق افضلیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اگر چہ راقم الحروف کو اس میں تامل ہے اور یا کوئی ایسی معتبر دلیل کشف کر کے جو ہماری نظر سے نہیں گزری ہے جو متاخرین کی نظر میں اجماع کا مبنا ہو۔

اورادعیہ شریفہ میں سے ایک دعا جو بہت فضیلت رکھتی ہے اور بندہ کی حق کے ساتھ مناجات پر مشتمل ہے اوراللہ کے عطایائے کاملہ کی تعداد پر مشتمل ہے، قنوت کی حالت سے جو مناجات اورسب سے کٹ کے اللہ سے لو لگانے کی حالت ہے، پوری مناسبت رکھتی ہے اوربعض مشائخ بزرگ رحمہم اللہ اس کی تقریباً پابندی کرتے تھے وہ دعائے، **یامن اظھر الجمیل**۔۔۔۔، ہے یہ عرش کے خزانوں میں سے ہے اوررسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحفہ ہے اوراس کے ہرفقرہ کے کثیر فضائل اورثواب ہیں، جیسا کہ توحید شیخ مفید علیہ الرحمہ میں ہے، [2]

ادب عبودیت میں بہتر یہ ہے کہ حالت قنوت میں جو حال مناجات وحال انقطاع بحق ہے خصوصاً نماز میں جو کل کی کل اظہار عبودیت وثنائے حق ہے اوراس حالت میں حق تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بندہ کے لئے مناجات ودعا کا درکھولا ہے اوراس کو اس اعزاز سے سرفراز کیا ہے، بندہ سالک کو بھی مقام مقدس ربوبیت کے ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے اوراپنی دعاوں کی نگرانی کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ پر مشتمل اورذکر ویادحق پر متضمن ہوں اور جو چیزیں اس حالت میں حق تعالیٰ سے مانگ رہا ہے وہ معارف الہیہ، فتح باب مناجات وانس وخلوت اوراس کی طرف انقطاع کی طلب ہو اور دنیا اور پست حیوانی امور اور خواہشات نفسانیہ کی طلب سے احتراز کرے اورخود کو پاک وپاکیزہ لوگوں کے سامنے شرمسار اورمحفل ابرار میں بے مقدار نہ ہونے دے۔

اے عزیز! قنوت غیرحق سے ہاتھ دھونا اورغیر ربوبیت کے سامنے پوری طرح حاضر ہونا ہے اورخالی ہاتھ کو غنی مطلق کی جانب سوال کے لئے دراز کرنا ہے۔ انقطاع کی اس حالت میں، شکم وشرمگاہ کی بات کرنا اور دنیا کو یاد کرنا پور

---

[1] متعدد روایتیں حد استفاضہ کے بارے میں، وارد ہوئی ہیں کہ اگر کسی کو خبر پہنچے (سنے یا کہ کسی جگہ پڑھے) کہ کسی عمل کے بجالانے میں ثواب ہے اوروہ اس عمل کو بجالائے تو اس عمل کی وجہ سے وہ اجر وثواب پائے گا چاہے وہ خبر صحیح نہ وہ۔ یہ روایات، اخبار من بلغ، کے عنوان سے مشہور ہیں اور ان کے مفاد مضمون کو، تسامح فی ادلۃ السنن، کہتے ہیں۔ رجوع کیا جائے بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۵۶، کتاب العلم، باب ۳۰، اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۹، کتاب الایمان والکفر، باب من بلغہ ثواب من اللہ علی عمل

[2] التوحید، باب اسماء اللہ تعالیٰ، باب ۲۶، حدیث ۱۴

اپورا نقصان اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

اے عزیز! اب جب تم اپنے وطن سے دور افتاد ہو اور آزادوں کے جوار سے محروم ہو گئے ہو اور اس رنج و محن کے اندھیرے زندان میں گرفتار ہو گئے ہو ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے اوپر خود ہی تار نہ تنو۔

اے عزیز! خدائے رحمٰن نے تمہاری فطرت کو نور معرفت اور نار عشق سے خمیر کیا اور انبیاءؑ جیسے انوار اور اولیاء جیسے عشاق کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے اس آگ کو دنیائے دنی کی خاک اور راکھ سے خاموش نہ کرو اور اس نور کو دنیا کی طرف توجہ سے جو دار غربت و مسافرت ہے، دھندلا نہ ہونے دو۔ ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے وطن اصلی کی طرف توجہ کرو اور حق کی طرف انقطاع بہ حق کی دعا کرو اور اپنے ہجران و حرمان کی حالت کو دردناک دل کے ساتھ اس کے سامنے پیش کرو اور اپنی بے چارگی و بے نوائی اور درماندگی کے احوال کا اظہار کرو تو غیب سے کوئی مدد پہنچے اور باطنی طور سے دستگیری ہو اور نقائص کی تلافی ہو جائے۔

اذ من عادته الاحسان و من شیمته التفضل،[1]

اگر امام المتقین، امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد معصومین علیہم السلام جو اہل معارف و حقائق کے امام ہیں، کی مناجات، شعبانیہ، کے فقرے تم قنوت میں پڑھو، خصوصاً وہاں سے جہاں عرض کرتے ہیں:

إلهی هَبْ لی کَمالَ الْانْقِطاعِ إلَیْكَ......الخ،[2]

لیکن اضطرار اور تضرع و زاری کی حالت میں، راقم الحروف کی طرح مردہ دلی کے ساتھ نہیں، تو بہت مناسب حال ہے۔

وبالجملہ، مقام، قنوت، راقم الحروف کی نظر میں مقام، سجود، کی طرح ہے۔ وہ ذلت عبودیت کی طرف توجہ اور عز ربوبیت کا تذکر ہے اور یہ عز ربوبیت کے سامنے حاضری اور عجز و ذلت عبودیت کا تذکر ہے۔ یہ درمیانی درجہ کے لوگوں کے مقام کے مطابق ہے، لیکن کاملین کے مقام کے مطابق، جیسا کہ، سجود، فنائے عبدا ور ترک غیر و غیریت ہے، قنوت، مقام انقطاع بہ حق اور غیر پر اعتماد کو ترک کرنا ہے جو مقام توکل کی روح ہے اور بالجملہ جس طرح، قیام، مقام توحید افعالی ہے اور یہ توحید دوسری رکعت میں متمکن ہوتی ہے، قنوت میں اس کے نتیجہ کا اظہار کرے کہ کشکول گدائی اللہ کے سامنے لے جائے، خلق سے قطع تعلق کرلے اور گریزاں رہے۔

---

[1] اس کی عادت احسان کرنا اور اس کا طریقہ تفضّل ہے۔

[2] تفسیر سورۂ حمد (مولفہ امام خمینیؒ) جلسہ پنجم ص ۱۸۳

فصل سوم

تعقیبات

مستحبات موکدہ میں سے ہے اوراس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ نماز صبح وعصر میں اس کی زیادہ تاکید ہے اور تعقیبات ماثورہ بہت ہیں، جن میں تین اختتامی تکبیریں بھی ہیں۔

مشائخ عظام پابندی کرتے تھے کہ تکبیرات افتتاحیہ کی طرح، ہر تکبیر میں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کریں اور ہتھیلیاں قبلہ کی مقابل پھیلا دیں، اگرچہ اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، اگر چہ ممکن ہے بعض روایات سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھانے کا ثبوت مل جائے اور شاید ہاتھوں کو بلند کرنا، تین مرتبہ تکبیر کہنا اس کے بعد دعائے، لا الہ الا اللہ وحدہ وحدہ۔۔۔۔الخ، [1] پڑھنا کافی ہو۔

اوراگر ہاتھوں کو اٹھانا اس طرح جس طرح مشائخ پابند ہیں، مستحب ہوتو یہ انہی اسرار کو متمکن کرتا ہے جو مذکور ہوئے اور شاید اپنی نماز اور عبادات کو ممنوع کرنا ہو کہ ایسا نہ ہو خود پسندی اور خود بینی دل میں راہ پا جائے۔

اور تکبیرات ثلاثہ شاید اشارہ ہوں توحیدات ثلاثہ کی طرف جو پوری نماز کی روح کے وجود میں آنے کا سبب ہیں۔ لہٰذا ان تکبیرات کا قلبی ادب یہ ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھانے میں توحیدات ثلاثہ کی نفی توحیدی کرے اور اپنی توصیفات وتوحیدات سے حق تعالیٰ کی تکبیر وتنزیہ کرے، یعنی خود جو اللہ کی صفتیں بیان کی ہیں اوراس کی ذاتی، صفاتی اور افعالی توحید کا اقرار کیا ہے۔ اس سے اسے بڑا بے نیاز اور پاک مانے) اوراپنے عجز وذلت اور قصور وتقصیر کو محضر مقدس حق

---

[1] وسائل شیعہ، ج ۴، ص ۱۰۳۰، کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب، باب ۱۴، حدیث ۲

میں پیش کردے۔ ہم نے رسالہ، سرّ الصلاۃ، میں ان تکبیرات اور رفع ید کے روحانی اسرار ایک لطیف انداز میں جو اس رسالہ میں مذکور ہے بیان کئے ہیں اور وہ اس مسکین پر حق تعالیٰ کے الطاف میں سے ایک الطاف ہے، **وله الشکر وله الحمد**۔

من جملہ تعقیبات شریفہ کے تسبیحات حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہیں جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معظّمہ کو تعلیم فرمائی۔ وہ تمام تعقیبات میں افضل ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی چیز اس سے افضل ہوتی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو عطا فرماتے، [1]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تسبیحات ہر روز ہر نماز کی تعقیب میں میرے نزدیک روزانہ ہزار رکعت سے زیادہ محبوب ہیں، [2]

اور اصحاب فقہ کے نزدیک معروف یہ ہے کہ اس کی ترتیب یوں ہے کہ، تکبیر چونتیس (٣٤) مرتبہ، تحمید تینتیس (٣٣) مرتبہ، اور تسبیح تینتیس (٣٣) مرتبہ، اسی ترتیب کے ساتھ۔ اور بعید نہیں ہے کہ یہ افضل ہو اور متعین نہ ہو، بلکہ تحمید و تسبیح، کی تقدیم و تاخیر میں انسان مخیر ہو، بلکہ شاید، تکبیر، کو موخر کرنے اور تسبیح، کو مقدم کرنے میں بھی مخیر ہو، لیکن افضل اور احوط وہی مشہور ترتیب ہے۔

اس کے قلبی آداب وہی ہیں جو تسبیحات اربعہ میں مذکور ہوئے اور اس سے زائد یہ کہ چونکہ یہ اذکار نماز کے بعد ہیں اور ان کی تسبیح، حق عبودیت کی ادائیگی سے تکبیر (بالاتری) اور تنزیہ (پاک ہونا) ہے نیز اس کے محضر مقدس میں بندہ کے لائق عبادت ہونے سے تکبیر، اور معرفت سے جو غایت عبادت ہے، تکبیر لہٰذا سالک کو چاہئے کہ نماز کے تعقیبات میں اپنے اور اپنی عبادتوں کے نقص کے بارے میں اور حال حضور میں اپنی غفلتوں کے بارے میں غور کرے جو مذہب عشق و محبت میں بجائے خود ایک گناہ ہے اور حضور و محضر مقدس میں اپنے نصیب سے محرومی کو نظر میں لائے اور تعقیبات میں جو خود رحمت حق کے ایک دوسرے دروازے کا کھلنا ہے، جتنا ممکن ہو اس محرومی کی تلافی کرے اور ان اذکار شریفہ کو قلب تک پہنچائے اور دل کو ان کے ذریعہ زندہ کرے شاید ان کا اختتام حسن و سعادت پر ہو اور تسبیح حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تحمید میں بھی اس حمد و ستائش کا اثبات بھی ہویت الٰہیہ کے لئے کرے جو بندگی کے لئے قیام ہے اور اسے اس ذات مقدس ہی کی توفیق تک پہنچائے اور ان لطائف کے راز سے ذائقہ دل کو آشنا کرے تا کہ قلب ذکر حق

---

[1] فروع کافی، ج ٣، ص ٣٤٣، کتاب الصلاۃ، باب التعقیب بعد الصلاۃ والدعاء، حدیث ١٤

[2] بحار الانوار، ج ٨٣، ص ٣٣٢، ثواب الاعمال، ص ١٤٩، وسائل الشیعہ، ج ٤، ص ١٠٢٤، کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب، باب ٩، حدیث ٢

سے زندہ ہو اور دل حق کے ساتھ حیات جاوید پیدا کر لے۔

اور چونکہ صبح، کثرت میں اشتغال اور دنیا میں ورود کا آغاز وافتتاح ہے اور انسان کو خلق کے ساتھ اشتغال اورحق کے ساتھ غفلت سے سامنا ہے اس لئے بہتر ہے کہ انسان سالک بیدار اس نازک موقع پر اس ظلمت کدہ تاریک میں وارد ہونے کے لئے حق کو وسیلہ بنائے اور اسی کے محضر میں حاضر رہے اور چونکہ خود کو اس محضر مقدس میں حاضری کے لائق نہیں پاتا لہٰذا اولیائے امر پناہ گاہ زمان، شفعائے انس و جان یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو وسیلہ بنائے اوران ذوات مقدسہ کو شفیع اور واسطہ قرار دے اور چونکہ ہر دن کا ایک پناہ دہندہ ہے۔ چنانچہ ہفتہ، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اتوار کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے، پیر کو حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے، منگل حضرت امام زین العابدین، حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے، بدھ حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام علی الرضا، حضرت امام محمد تقی، حضرت امام علی النقی علیہم السلام سے، جمعرات حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام سے اور جمعہ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف سے متعلق ہے، [1] لہٰذا مناسب یہ ہے کہ نماز صبح کی تعقیب میں اس تاریک ومہلک دریا اوراس ہولناک شیطانی دامگاہ میں وارد ہونے کے لئے اس دن کے پناہ دہندہ گان کو وسیلہ بنائے اور ان کی شفاعت کے ذریعہ جو مقربان بارگاہ قدس اورمحرمان سرا پردہ محضر حق ہیں، حق تعالیٰ سے شر شیطان وشرنفس امارہ سے حفاظت کا طلب گار ہو اوراپنی ناقص عبادات کی تکمیل اورغیر شائستہ مناسک کی قبولیت کے لئے انہی حضرات کو واسطہ قرار دے۔ ضرور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اہل بیت علیہم السلام کو ہدایت کے وسائط اور ہمارے لئے رہنما مقرر فرمایا ہے اوران کی برکتوں سے امت کو جہالت وضلالت سے نجات دی ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ اوران کی شفاعت سے ہمارے قصور کی ترمیم اور ہمارے نقص کی تتمیم فرمادے گا اور ہماری ناقابل قبول عبادات کو قبول فرمائے گا، **انہ ولی الفضل والانعام**، تعقیبات ماثورہ کتب ادعیہ میں موجود ہیں۔ ہر شخص اپنے مناسب حال انتخاب کرے اوراس سفر روحانی کو خیر وسعادت پر تمام کرے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۲۳۹، الخصال، ج ۲، ص ۳۹۴، باب ۷

ختم و دعا

مناسب ہوتا اگر اس رسالہ کو نماز کے موانع معنویہ (باطنی رکاوٹوں) جیسے ریا، خود پسندی اور اس طرح کے امور پر تمام کر سکتے، لیکن چونکہ کتاب اربعین،[1] میں بعض احادیث کی شرح کے ذیل میں ان موضوعات کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور اب کثرت اشتغال اور قوائے فکری کے انتشار کی وجہ سے اس خدمت سے معذور ہیں، لہٰذا ان اوراق کو نقص و تقصیر کے اعتراف پر ختم کرتے ہیں اور ارباب نظر پاک سے عفو خطا چاہتے ہیں اور ان کی اور ان کے نفوس کریمہ کی دعائے خیر کے محتاج ہیں۔

بار الٰہا! تو نے ہم کمزور بندوں کو کسی سابقہ خدمت و اطاعت یا عبادت و بندگی کی احتیاج کے بغیر محض اپنے فضل و عنایت اور رحمت و کرامت سے لباس و جود بخشا اور طرح طرح کی روحانی و جسمانی نعمتوں اور باطنی و ظاہری رحمتوں سے سرفراز فرمایا بغیر اس کے کہ ہمارے نہ ہونے سے تیری قدرت و قوت میں کوئی خلل واقع ہوتا یا ہمارا وجود تیری عظمت و حشمت میں کچھ اضافہ ہوتا، اب جب کہ تیری رحمانیت کا چشمہ جوش میں آ چکا اور تیرے خورشید جمال جمیل کی چشم، عنایت، روشن ہو چکی اور تو ہمیں رحمت کے دریاؤں میں مستغرق اور انوار جمال سے منور فرما چکا، ہمارے نقائص، خطاؤں گناہوں اور کوتاہیوں کی تلافی بھی اپنی توفیق باطنی کے نور اور دستگیری و ہدایت سری سے فرما دے اور ہمارے از سرتا پا تعلق دل کو علائق دنیا سے آزادی دلا دے اور اپنے عز قدس کے تعلق سے آراستہ کر دے۔

بار الٰہا! ہم ناچیزوں کی اطاعت سے تیرے ملک میں کوئی وسعت نہیں پیدا ہو جاتی ہے اور نہ ہماری نافرمانی سے تیری مملکت میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے اور گنہگاروں کو عذاب و عقاب دینے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ملتا اور نہ پریشان حالوں پر بخشش و رحمت کرنے سے تیری قدرت میں کوئی کمی آتی ہے، عین ثابت خطا کاراں تجھ سے طالب رحمت ہے اور فطرت ناقصاں طلبگار تمامیت، تو خود ہی اپنا لطف عمیم ہمارے شامل حال کر دے اور ہمارے سوئے

[1] امام خمینیؒ کی کتاب چہل حدیث اردو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکی ہے۔

استعداد اور نااہلی سے صرف نظر فرما۔

اِنْ كُنْتُ غَيْرَ مُسْتَأْهِلٍ لِرَحْمَتِكَ فَأَنْتَ اَهْلٌ اَنْ تَجُودَ عَلَيَّ بِفَضْلِ سَعَتِكَ.

اِلَهِي قَدْ سَتَرْتَ عَلَيَّ ذُنُوباً فِي الدُّنْيَا وَ اَنَا اَحْوَجُ اِلَى سَتْرِهَا عَلَيَّ مِنْكَ فِي الْاُخْرَى.

اِلَهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ اِلَيْكَ وَ اَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا اِلَيْكَ حَتَّى تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ.[1]

یہاں پر ہمارا کلام ختم ہوا۔

بتقدیر الٰہی جلّ وعلا،

حامداً، شاکراً علیٰ نعمائه،

مصلیا علیٰ محمد وآله الطاهرین،

بتاریخ روز دوشنبہ ۲۰/ ربیع الثانی/ سال ۱۳۶۱ قمر

---

[1] الاقبال بالاعمال الحسنة (ط-الحديثة) / ج3/ 299/ فصل(10) فيما نذكره من الدعاء في شعبان، مروی عن ابن خالويه.....ص: 295